جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۳ | محرم ۱۴۳۹ھ / اکتوبر ۲۰۱۷ء | شمارہ نمبر ۷

سرپرست

حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵؍روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

توسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

⭘ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ذمہ داران مدارس سے

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مدارس اسلامیہ کے تعلق سے آج کل بہت کچھ لکھا جارہا ہے، ان کے مقاصد، ان کے کردار اوران کے مردم سازی ومردم گری کے حوالے سے روزانہ کوئی نہ کوئی تحریر نظر سے گذرتی ہے، ذمہ دارانِ مدارس ان کوسرسری طور سے پڑھتے ہیں اور گذر جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رفتہ رفتہ دینی مدارس کے تعلیم وتعلّم کا یہ نظام ایک رسم بنتا جارہا ہے، اوراس کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہورہا ہے، جبکہ مدارس دینیہ کے قیام کا اصل مقصد کتاب الٰہی وسنت رسول اوران سے ماخوذ فقہ اسلامی ہے، انھیں کی تعلیم وتدریس، افہام وتفہیم، تعمیل واتباع اور تبلیغ واشاعت مدارس عربیہ دینیہ کا مقصود اصلی ہے، بالفاظ دیگر یہ تعلیمی وتربیتی ادارے علوم شریعت کے نقیب، اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت، تلاوت قرآن، تعلیم کتاب اور تفہیم حکمت وسنت کے وارث وامین ہیں، اسی لئے یہ اسلامی قلعے، یہ دینی جامعات اوراسلامی مراکز اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ، اپنے ہر ہر عمل میں احتساب، احساسِ ذمہ داری، بابصیرت بزرگانِ دین اور علماء اسلام کے بنائے اور بتائے ہوئے اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ ہی اپنے اصلی مقاصد تک پہونچا سکتے ہیں۔

ماضی کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک وملت کی تعمیر اوراصلاح قوم ووطن کے سلسلہ میں ان دینی مدارس کا بڑا فیض رہا ہے، ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ان مدارس سے فارغ ہوکر طلبہ نکلتے ہیں لیکن عوام کی بھیڑ میں جا کر وہ کہاں گم ہوجاتے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا، اس کے پیچھے کوئی اہم وجہ ہے جس سے ذمہ داران مدارس چشم پوشی کررہے ہیں، ذمہ داران

مدارس کے دلوں سے اخلاصِ عمل کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری کا فقدان ہوتا جارہا ہے، عوام کی حلال کمائی کے ایک ایک پیسے کو جوڑ کر مدارس چلانے کی فکر کے بجائے اب اکثر ارباب مدارس کی نگاہیں حکومت کی امداد اوراس سے ملنے والی مراعات کی طرف ہوگئی ہے، اسی لئے ان دینی مراکز سے ملک وملت کو جتنا کچھ نفع ماضی میں ہوا تھا، مدارس کی کثرت کے تناسب سے اس وقت اس میں بہت زیادہ کمی ہے، اور اسی لئے اب یہ مدارس اسلامیہ چوطرفہ حملوں اورتنقیدوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، کبھی ماڈرنائزڈ (جدیدیت کے سانچے میں ڈھالنے) کی کوشش کے نام پر مدارس کے خلاف آپریشن کی دھمکی دی جاتی ہے، تو کبھی مدارس سے حب الوطنی کا ثبوت مانگا جاتا ہے۔

دشمنوں کی عداوت تو ایک ناگزیر امر ہے، اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہے، لیکن اس عداوت اور سازش کے ضرر سے خود کو بچانا ایک اہم کام ہے، سازش کا جواب سازش نہیں ہے، پروپیگنڈہ کی کاٹ ہماری تعلیمات میں پروپیگنڈہ نہیں، جھوٹ کا جواب جھوٹ نہیں ہے، طریقہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف ظاہر وباطن میں رجوع ہوجائیں، اپنے فریضے کی ادائیگی میں، تعلیم وتربیت میں، دعوت وتبلیغ میں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں خوب مستعد ہوجائیں، اوراس میں کسی طرح کی سستی اور لاپرواہی سے کام نہ لیں، سہولت پسندی، عیش کوشی سے دور رہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں مانگیں، اگر یہ باتیں مجموعی اعتبار سے حاصل ہوجائیں تو نصرت الٰہی ہر طرف سے حفاظت کرے گی، اور کسی دشمن کا کید اوراس کی سازش نقصان نہ پہونچا سکے گی۔

آج ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطائیں ہی خطائیں ہیں، کوتاہیاں ہی کوتاہیاں ہیں، عہدوں کیلئے لڑائیاں ہیں، اساتذہ ٹولیاں بنا کر افتراق میں مبتلا ہوتے ہیں، طلبہ الگ من مانی کرتے ہیں، چونکہ ان مدارس کا قیام اوران کی بقاء کا تعلق عالم اسباب میں عوامی چندوں سے ہے، تو چندوں میں اتنا انہاک ہوتا ہے کہ بعض اوقات حرام وحلال کی حدیں ٹوٹ

جاتی ہیں، اور اس سلسلے میں نامناسب امور کا اتنا ارتکاب ہوتا ہے اور انھیں اتنا غیر اہم سمجھا جاتا ہے جیسے ان کیلئے شریعت کی کوئی ہدایت ہے ہی نہیں، کمیشن پر چندہ کرنا ایک دستور سا بن گیا ہے، حالانکہ شرعاً وہ جائز نہیں ہے، پھر بہت سے مدارس میں تعلیم کی مدت میں طلبہ اور اساتذہ سب کو چندہ کے کام میں لگا دیا جاتا ہے، اس سے تعلیم کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے، اور مزاج بگڑ جاتا ہے، یہ تو چندے کے حصول کا مسئلہ ہے، اس کے خرچ کا مسئلہ بھی کچھ کم نازک نہیں ہے، مصارف کی بے احتیاطیوں سے ارباب مدارس خوب واقف ہیں۔

ایک افسوسناک اور قابل اصلاح صورت حال یہ ہے کہ عموماً دینی مدارس کے اہل انتظام کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ریس میں تعلیم سے زیادہ تعمیر کا جذبہ رکھتے ہیں، کارکنوں کی تنخواہیں تو کم، بہت کم ہوتی ہیں، لیکن تعمیر میں بے تحاشا دولت صرف کی جاتی ہے، اور بعض اوقات بالکل بے ضرورت! ان کی طویل وعریض عمارتوں کا اور کوئی نقصان ہو یا نہ ہو، ہمارے اس ملک میں جہاں تعصب کا الاؤ ہر طرف جل رہا ہے، مدارس کی ان بلند وبالا خوبصورت عمارتوں پر فرقہ پرستوں کی نگاہیں پڑتی اور ان میں خطرے کی علامتیں ڈھونڈھتی ہیں، نہیں ملتیں تو زبردستی تہمت تراشی کرتی ہیں، حالانکہ اگر بقدر ضرورت عمارتیں بنوائیں اور انھیں سادہ انداز پر رکھیں، تو تعلیمی وتربیتی مواقع پر خرچ کرنا آسان ہو، اور ان پر ناجائز نگاہیں بھی نہ پڑیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ اربابِ مدارس بہت زیادہ شاندار عمارتیں نہ بناتے تو بہت سے فتنوں سے محفوظ رہتے (ماخوذ از ''مدارسِ اسلامیہ مشورے اور گزارشیں'': مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ)

آئین ہند کی دفعہ ۳۰/۱ کے مطابق ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں کو اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنے مرتب کردہ نصاب تعلیم کے مطابق اپنے بل بوتے پر اپنے اپنے تعلیمی ادارے چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے، تو پھر اہل مدارس اس آئینی اور قانونی حق کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟ بغیر کسی سرکاری امداد کے، قومی وملی اعتبار سے اپنے خود کفیل ادارے کیوں نہیں بناتے؟ جب ذمہ داران مدارس کلی یا جزوی امداد کے لئے

حکومت کے سامنے کاسہ لیسی کریں گے تو پھر ان کو اس کا نصاب بھی پڑھانا پڑے گا، اس کی جانب سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔

تھوڑی دیر کے لیے آپ یہ سوچیں کہ آج تک جتنے مدارس سرکاری تحویل میں پہنچے ان کا کیا کیا حشر ہوا اور کیسی کیسی گت بنی یہ بالکل مشاہدہ ہے، آج جو مدارس حکومت کے تنخواہ دار ہیں، ان میں نظام تعلیم کتنا ابتر ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا، اساتذہ کرام اور ملازمین میں احساس ذمہ داری کا کتنا فقدان ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، دینی تعلیم کی اصل روح اخلاص ہے، جب وہی روح ختم ہوجائے گی تو پھر ان مدارس کا وجود خطرے میں کیوں نہیں پڑے گا؟ حکومت ہی نہیں بلکہ تمام اسلام دشمنوں کی سازش یہی ہے کہ کسی طرح ان مدارس کا تشخص وامتیاز ختم کردیا جائے، ان مدارس کی الگ سے جو شناخت ہے اسے ان سے چھین لیا جائے۔

کیونکہ کسی زندہ قوم کو ناکارہ اور بے روح وجان، اور ختم کرنے لئے بم برسانے، ایٹم بم گرانے کی ضرورت نہیں ہے، بس اس کو بنیادی تعلیم سے محروم کردو، آج حکومتیں اسی نظریہ پر عمل پیرا ہیں اور افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ تمام سرکاری مدارس اسی مشن میں غیر محسوس طریقے سے حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں، جو کچھ کمی رہ گئی ہے نئے نئے سرکلر جاری کرکے اس کو بھی مکمل کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔

اس نازک وقت پر اگر ارباب مدارس نے ہوشیاری اور تدبیر سے کام نہیں لیا، ہمارے اکابر واسلاف نے مدارس کی جو شبیہ بنائی تھی اور اس کو باقی رکھنے کے لئے جو اصول وضوابط بنائے تھے اگر ان کو پیش نظر نہ رکھا گیا مدارس ومکاتب کو اپنے مقاصد میں مکمل طور سے کامیاب بنانے کی اصل روح ''اخلاص وللّٰہیت'' کو اگر بروئے کار نہیں لایا گیا تو ملت اسلامیہ ایک عظیم خسارہ اور نقصان سے دوچار ہوگی جس کی تلافی کی بظاہر کوئی شکل بھی نظر نہیں آتی۔

درسِ قرآن | تیسری قسط

ولیمہ: حقیقت اور خرافات

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتَ النَّبِیِّ إِلَّا أَنْ یُؤْذَنَ لَکُمْ إِلَى طَعَامٍ غَیْرَ نَاظِرِینَ إِنَاهُ وَلَٰکِنْ إِذَا دُعِیتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِینَ لِحَدِیثٍ إِنَّ ذَٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیِی مِنْکُمْ وَاللَّهُ لَا یَسْتَحْیِی مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب، ۵۳)

مسلمانو! جب تک تمہیں اجازت نہ دیجائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، کھانے کے لئے بھی اجازت کے بعد جاؤ، یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے اور کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگے بلکہ جب بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھالو تو رخصت ہو جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو! نبی کو تمہاری یہ حرکت ناگوار گذرتی ہے لیکن وہ لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بیانِ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ (ابن کثیر اردو، ۴/۸/۲۱۳۸)

شان نزول: جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ نے ولیمہ کیا، بعض لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تا کہ آپ کو اٹھتا دیکھ کر وہ بھی اٹھ جائیں، آپ کے ساتھ کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیئے مگر تین شخص اشارہ نہیں سمجھ سکے اور وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہ گئے۔

(وَإِذَا هُوَ کَأَنَّهُ یَتَهَیَّأُ لِلْقِیَامِ فَلَمْ یَقُومُوا، فَلَمَّا رَأَى ذَٰلِکَ قَامَ، فَلَمَّا قَامَ، قَامَ مَنْ قَامَ، وَقَعَدَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، (صحیح البخاری رقم ۴۷۹۱ کتاب تفسیر القرآن)

تشریح وتوضیح: آیت شریفہ میں دعوتِ طعام سے متعلق تین احکام کا بیان ہے۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بغیر دعوت کے مت جاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ خاص سببِ نزول کی وجہ سے ہے ورنہ یہی حکم تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔

(۲) آنے کی اجازت اور دعوت ہو تب بھی بہت پہلے سے آ کر کھانا پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ، بلکہ دعوت کا جو وقت بتایا جائے اس وقت آؤ۔

(۳) کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہو جاؤ، وہاں باتیں کرنے کے لئے جم کر نہ بیٹھو، یہ تکلیف وایذا کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت شریفہ کا نزول کیونکہ دعوت ولیمہ کے سلسلہ میں ہوا ہے اس لئے دعوت اور ولیمہ سے متعلق چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں

عورتوں کی شمولیت: گذرے زمانہ میں دعوتیں اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کی جاتی تھیں اس لئے تقریبات اپنے ہی گھر میں، یا محلہ میں جس کا گھر بڑا ہوتا اس کے گھر میں انتظام کرلیا جا تا تھا، اس میں بہت سے مفاسد سے حفاظت تھی، اب دعوتیں بڑی اور گھر چھوٹے ہونے لگے اس لئے بدرجہ مجبوری تقریبات، شادی محل اور پیلس میں منعقد ہونے لگی ہیں، شادی محل اور پیلس کم قیمت کے بھی ہیں، گراں قدر اور ہوش ربا کرائے کے بھی، بکنگ کم کرائے والے کی بھی ہوسکتی ہے، بدقسمتی سے کہیں کہیں تو دلہا والوں کی جانب سے اب باقاعدہ اس کی فرمائش ہونے لگی ہے کہ پیلس اچھا ہونا چاہئے، اچھے پیلس میں دولہا اور اس کے حاشیہ بردار صرف چند گھنٹے ہی قیام کر سکتے ہیں پھر لٹے پٹے مسافر کی طرح رخصت ہونا ہے اور لڑکی والوں کا لاکھوں روپیہ چند ساعتوں میں غیروں کی جھولی میں چلا جاتا ہے، پیلس میں کی جانے والی شادیوں میں غیروں کی دیکھا دیکھی ایک بڑی خرابی مسلمانوں میں یہ داخل ہوگئی کہ عورتیں حبائل الشیطان کا پورا روپ دھار کر، سولہ سنگار کے ساتھ پیلسوں میں آرہی ہیں، بلا شبہ عورتوں کو تقریبات میں شرکت کی اجازت ہے، ممنوع نہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو ایک تقریب سے واپس آتا دیکھ کر محبت آمیز جملے ارشاد فرمائے تھے، خدا گواہ کہ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہو، اللھم انتم من احب الناس الیّ، (صحیح البخاری رقم ۵۱۸۰)

مگر اس زمانہ میں چونکہ شادی محل اور پیلس، دعوت گاہ کی بجائے حسن وجمال کی نمائش کا مظہر بنتے جا رہے ہیں، بادی النظر میں دیکھنے والے کو تو یہی لگے گا کہ شاید یہاں مقابلۂ حسن کی کوئی تقریب منعقد ہو رہی ہے، ارباب بصیرت، برادری اور خاندان کے ذمہ دار اور واعظان قوم اس طرف پوری توجہ مبذول فرما

ئیں اور اصلاحِ حال کی کوشش کریں، بصورت دیگر عورتوں کے آنے پر پابندی عائد کریں۔

کچھ باتیں کہنے کی نہیں مگر کہی جاتی ہیں، لکھنے کی نہیں مگر لکھی جاتی ہیں، تحدیثِ نعمت کے طور پر تحریر ہے کہ الحمدللہ بندہ کی جائے پیدائش ''موضع دبکورہ ضلع سہارنپور، یوپی'' میں آج بھی خواتین کو اس طرح کی تقاریب میں حاضری کی اجازت نہیں، پورے احترام کے ساتھ ان کا کھانا گھر پر ہی پہونچادیا جاتا ہے اور اس طرح گویا ہمارے بڑوں نے بہت سے مفاسد کا پہلے سے ہی سد باب کر رکھا ہے، خواتین کو کیونکہ یہ اصول معلوم ہے اور اس میں ان کو آرائش وزیبائش اور بیجا تکلفات سے راحت بھی ہے، اسی لئے آج تک کسی ایک عورت کی کوئی شکایت نہیں ملی۔

پیلس اور شادی محل کی دعوتیں: قریبی زمانہ میں چھوٹے شادی محل اور پیلس سے کام چل جاتا تھا اب شہر سے باہر، بڑے بڑے پیلس بن گئے ہیں اور بنائے جارہے ہیں، بعض پیلس نے تو شادی محل کے بجائے تھیٹر کی شکل اختیار کرلی ہے، یہ پیلس شادی کے منتظمین کے لئے جہاں جدید سہولتیں فراہم کرتے ہیں وہیں اپنے ساتھ بہت سی قباحتیں بھی ساتھ لائے ہیں۔

نقصان دہ کھانے: پیلس میں تقریبات منعقد ہونے سے، ایک قباحت یہ بھی روز افزوں ہے کہ متعدد اقسام وانواع کے ماکولات ومشروبات، ٹھنڈی گرم چاٹ، حتی کہ چینی معاشرہ کے نقصان دہ کھانے، چاؤمین، موموز وغیرہ بھی بنوائے جاتے ہیں، جن کے استعمال سے ڈاکٹر صاحبان بھی منع کرتے ہیں، گھروں میں نہ اتنی جگہ دستیاب تھی جہاں اس طرح کے بے جا تکلفات اختیار کئے جائیں اور نہ اتنی انواع واقسام کا کھانا بنانے والے افراد، اگر مہمانوں کا اکرام مقصود ہوتا تو شاید گنجائش نکل آتی، مگر وائے افسوس کہ اس جز اور اس مقصد اور نیت کا تو داعی کو خیال بھی نہیں ہوتا، صرف نام ونمود وریا ہی مقصود ہوتی ہے۔

اسٹینڈ نگ: جو دین دار ہیں، اور گناہوں سے بچنے کا جن کا عزم مصمم ہے ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالی ہر جگہ گناہوں سے بچنے کی صورتیں پیدا فرمادیتے ہیں(**و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا**) اور وہ پیلس جیسے غیر شرعی مقامات کو بھی اپنے ماحول میں ڈھال لیتے ہیں، مگر یوروپی تہذیب کے دلدادہ، لبرل اور آزاد خیال مسلمان جو شریعت ومذہب کو صرف ایک رسمی چیز سمجھتے ہیں اور بعض دفعہ خود کو متدین ومتصلب دیندار سمجھنے والے سہولت پسند

حضرات بھی دانستہ وغیر دانستہ تہذیب وشائستگی سے عاری، ایک غیر شرعی عمل اور فیشن کے مرتکب ہورہے ہیں، اس کو ''اسٹینڈنگ'' (یعنی کھانا کھڑے ہوکر کھانا) کہا جاتا ہے۔

پہلے گھروں میں تقریب ہوتی تھی تو میزبان، محلہ دار، قریبی قرابت دار، آنے والے مہمانوں کے ہاتھ دھلاتے، کھانا کھلاتے تھے، میزبان پوری طرح فکرمند رہتا تھا کہ اللہ کرے مہمان، عزت کے ساتھ سیر ہوکر کھائیں، اور عزت کے ساتھ ہی رخصت ہوجائیں، بقدر استطاعت، میزبان مہمان سے محبت بھرے انداز میں مزید کچھ اور کھانے کی درخواست کرتا رہتا تھا، رخصت ہوتے ہوئے میزبان مہمان سے خاطر خواہ ضیافت نہ کرنے پر معذرت خواہ بھی ہوا کرتا تھا، کتنا حسین تھا یہ انداز، دل میں اتر جانے والی ادا، برسوں تک یادآوری کا ذریعہ، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کا مضبوط وسیلہ، مگر شاید اب اس کو نظر لگ گئی، اب منظر بڑا عجیب سا لگتا ہے، کھانا شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے، مہمان حضرات کرسیوں پر بیٹھے ہیں، پلیٹیں، کھانا، لوازمات میز پر لگائے جارہے ہیں، میزبان ابھی مشغول ہیں اور پھر کھانا کھانے کا اعلان ہوتا ہے، سب مہمان پلیٹیں اٹھانے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، پھر کوئی میٹھے کی طرف بڑھ رہا ہے، کسی کی پیش قدمی بریانی کی طرف ہے، کسی کی سبقت روٹیوں کی طرف جاری ہے، کسی کی جست فرائی مرغ پر ہے، کسی کی رسائی آئس کریم اور رس ملائی تک بھی ہورہی ہے، لگتا ہے جیسے مہمان کھانا کھانے نہیں بلکہ کھانا وصول کرنے آئے ہیں، کوئی اِس ویٹر کے سامنے فقیروں کی طرح پلیٹ لئے کھڑا ہے، تو کوئی دوسرے ویٹر کے سامنے بھکاری کی طرح کاسہ لئے کھڑا ہے، چلتے پھرتے اور پورے پیلس میں گویا گائے، بیل، بکریوں کی طرح گھوم گھوم کر کھا رہے ہیں، اور میزبان ایک طرف کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہے اور شیطان، میزبان ومہمان کے اس غیر شرعی طریقہ پر شاداں وفرحاں ہے، کیونکہ اسلامی طریقہ تو یہ ہے کہ کھانا بیٹھ کر کھایا جائے، یہ سلیقہ مندی، تہذیب وشائستگی اور حدیث وسنت کے بھی خلاف ہے، اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

حضرت جارود ابن المعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کوئی بھی چیز) کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا۔ **عن الجارود بن المعلی رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ**

وسلم نَهیٰ عَنِ الشُّرْبِ قَائِماً (أخرجہ الترمذی رقم:۱۸۸۱)

ایک اور حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔**عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِماً (مسلم رقم:۲۰۲۵)**

ایک اور حدیث میں بڑی تاکید کے ساتھ کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ایک مومن کے لئے یہ زیبا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود، دیدہ ودانستہ کھڑے ہو کر کوئی چیز پیئے، البتہ سہو ونسیان انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، اگر بھولے سے کبھی اس طرح کی حرکت سرزد ہو جائے تو ایسے آدمی کے لئے فرمایا کہ اس ممنوع حالت میں پی ہوئی چیز کی قے کردے، فقہاء فرماتے ہیں کہ: قے کرنا واجب و ضروری تو نہیں البتہ مندوب ومستحب ہے۔

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یَشْرَبَنَّ أَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِماً فَمَنْ نَسِیَ فَلْیَسْتَقِئْ (مسلم: رقم:۲۰۲۶)

کھانے کی بنسبت پینے کی ضرورت اور مواقع بار بار اور زیادہ پیش آتے ہیں اس لئے مذکورہ بالا احادیث میں کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت مذکور ہے، ورنہ تو کھڑے ہو کر، کھانا، کھڑے ہو کر پینے سے اور زیادہ برا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا، پوچھا گیا: اور کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: وہ تو اور بھی زیادہ برا ہے

عن أنس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نَهیٰ أَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِماً، فَقِیْلَ: الأَکْلُ؟ قال: ذَاکَ أَشَدُّ (ترمذی: رقم:۱۸۷۹)

نوٹ: کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت سے وضو کے بعد کا بچا ہوا پانی اور آبِ زمزم مستثنی ہیں کیونکہ ان میں کھڑے ہو کر پینا سنت سے ثابت ہے (مسلم، رقم:۲۰۲۷)

کھڑے ہو کر کھانے کے طبی نقصانات: کھڑے کھڑے کھانا اسلامی تہذیب کے خلاف تو ہے ہی، طبی نقطۂ نظر سے بھی غلط ہے۔

اگر پانی بیٹھ کر پیا جائے توجسم کی حاجت کے مطابق پانی جسم میں پہونچتا ہے اور اگر زیادہ پانی جسم میں چلا جائے جوجسم کی ضرورت سے زائد ہوتا تو اس کی وجہ سے ایک خطرناک مرض ہوتا ہےجس کو اطباء کی اصطلاح میں استسقاء اور ڈاکٹر کی اصطلاح میں (Oekema) کہتے ہیں جس سے مریض کا تمام بدن پھول جاتا ہے۔(سنت نبوی اور جدید سائنس، طارق محمود ۱/۱۳۱)

اٹلی کے ایک ماہر اغذیہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ کھڑے ہوکر کھانا کھانے سے تلی اور دل کی بیماریاں نیز نفسیاتی امراض پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات انسان ایسا پاگل ہوجاتا ہے کہ اپنوں تک کو پہچان نہیں پاتا۔

اور جدید سائنسی تحقیق کے مطابق کھڑے ہوکر اور ایک سانس میں پانی پینے سے جسم میں پانی جلد جذب ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے گردوں پر گہرا اثر پڑتا ہے اور جسم کے تمام حصوں بالخصوص پاؤں پر ورم کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، جسے سائنسی اصطلاح میں EDEMA کہا جاتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۷ کا:

بعض سلف موت کے وقت شدت وسختی میں مبتلا کیے جانے کو پسند فرماتے تھے جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قول ہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ موت کی سختیاں میرے اوپر آسان کردی جائیں کیونکہ یہ مومن کی طرف سے کفارہ بننے والی آخری چیز ہے۔

اور بعض حضرات موت کی سختی کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ اور خوف بھی رکھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر موت کو آسان کرنا چاہتے ہیں تو آسان بھی فرمادیتے ہیں، ابن ابی الدنیا ''الاولیاء'' اور طبرانی نے ضعیف طرق سے ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس کے بعض طریق کے الفاظ یہ ہیں: ''إن لله ضَنَائِنَ مِن خَلْقِه يَضِنُّ بِهِم عن البلاءِ، يُحْيِيْهِم في عافية، ويُمِيْتُهُم في عافية، ويُدْخِلُهُم الجنةَ في عافية'' (الأولياء لابن أبي الدنيا رقم الحديث ۳)

اللہ کے اس کی مخلوق میں سے کچھ ایسے خاص لوگ ہیں جن کو وہ بلاء وآزمائش سے محفوظ رکھتا ہے، ان کو عافیت کے ساتھ زندہ رکھتا ہے، عافیت کے ساتھ ان کو موت دیتا ہے، اور عافیت کے ساتھ ان کو جنت میں داخل فرمادے گا۔(جامع العلوم والحکم ص ۳۶۲، بحذف واختصار)

اللہ کا ولی اور اس پر انعامات خداوندی

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

”وَمَاتَرَدَّدْتُ عن شئٍ أنافاعِلُه تَرَدُّدِي عن نَفْسِ المؤمِنِ يَكْرَهُ الْمَوتَ و أنا أكْرَهُ مَسَاءَتَه“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی چیز کے بارے میں جو میں کرنے والا ہوتا ہوں ایسا تردد نہیں ہوا جیسا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں۔

تردد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال اور رائے آجائے جس کی وجہ سے اس کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں پس وپیش میں پڑ جائے، اور ظاہر سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تردد کا یہ معنی لینا درست نہیں ہے، اس لیے علماء نے حدیث شریف کے اس جملے کی مختلف تاویلیں کی ہیں:

(۱) بندہ اپنی زندگی میں کبھی بیماری یا فاقہ وغیرہ کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے شفا عطا فرما دیتے ہیں اور اس کی مصیبت دور فرما دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ایسا ہے جیسے کسی شخص کو تردد ہو جائے کہ وہ ایک کام کرنا چاہتا تھا پھر نئی رائے ظاہر ہو گئی تو اسے چھوڑ دیا۔

لیکن بندے کی موت کا مقررہ وقت جب آجائے گا تو اسے موت آنا لازمی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لیے فنا مقدر فرما دیا ہے اور بقا صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

(۲) اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں تردد سے تردید (بار بار لوٹانا، دوسرے کو تردد

میں ڈالنا) مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کسی چیز میں جو کرنا چاہتا ہوں اس میں فرشتوں کو بار بار نہیں لوٹاتا جیسا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں انھیں بار بار لوٹاتا ہوں، جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا اور فرشتہ کا ان کے پاس بار بار جانا منقول ہے، علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کے تردد کی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت اس لیے فرمائی کہ فرشتوں کا تردد اللہ ہی کے حکم سے ہے۔

علامہ خطابیؒ نے مذکورہ دونوں تاویل ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ دونوں صورتوں میں بندے کے اوپر اللہ تعالیٰ کی مہربانی، لطف وکرم اور شفقت کا بیان ہے۔

(۳) یہاں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ تردد سے مراد مومن بندے پر لطف ومہربانی ہے، گویا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس مومن کی قدر ومنزلت اور اہل دنیا کو اس سے ہونے والے عظیم نفع کو دیکھتا ہے تو اس کے احترام میں اس کی روح قبض کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتا، پھر جب اپنے رب کے حکم کو یاد کرتا ہے تو اس حکم کی بجا آوری سے کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔

(۴) یہ خطاب اللہ تعالیٰ نے ہم بندوں سے ایسے الفاظ میں کیا ہے جس کو ہم سمجھ سکیں، ورنہ اللہ تعالیٰ تردد کی حقیقت سے منزہ اور پاک ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم میں سے کوئی اپنے لڑکے کو ادب سکھانے کے لئے مارنا چاہے اور پھر محبت مانع بن جائے تو وہ تردد اور پس وپیش میں پڑ جاتا ہے، حالانکہ باپ کے علاوہ مثلاً کوئی معلم ہوتا تو اسے تردد نہ ہوتا بلکہ تادیب کے لیے مارنے میں وہ جلدی کرتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ تردد کا ذکر فرما کر اپنے نزدیک ولی کی محبت اور قدر ومنزلت کو سمجھانا چاہتے ہیں۔

(۵) علامہ کرمانیؒ نے یہاں ایک احتمال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس سے مراد مومن کی روح کو تدریج کے ساتھ یعنی آہستہ آہستہ قبض کرنا ہے، برخلاف دیگر امور کے کہ وہ کلمۂ ''کُن'' کے ذریعہ فوراً یکبارگی وجود میں آجاتے ہیں۔(فتح الباری ۱۱/ ۴۲۰-۴۲۱)

(٦) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ تردد دورایوں کے تعارض کو کہا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالی کے حق میں محال ہے، لہٰذا یہاں جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی تو اس سے اس کی غایت یعنی توقف مراد ہوگا۔(المرقاۃ ۵/ ۱۴۴ (رقم ۲۲۶۶)

(۷) علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے اولیاء کرام کے شرف اور ان کی قدرومنزلت کی رفعت کا پتہ چلتا ہے، یہاں تک کہ اگر یہ بات ہوتی کہ اللہ تعالی ان کو موت کا مزا نہ چکھائے جو اللہ نے اپنے بندوں پر لازم کر رکھی ہے تو ایسا ضرور کرتے، اوراس وجہ سے یہاں تردد کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے کسی شخص کو اپنے محبوب کے ساتھ کوئی کام کرنا ضروری ہولیکن اس سے محبوب کو تکلیف بھی ہوگی تو وہ شخص جب محبوب کی تکلیف کی طرف نظر کرتا ہے تو اس کام سے رک جاتا ہے، اور جب اس بات کی طرف نظر کرتا ہے کہ محبوب کے نفع کی خاطر اس کام کو کرنا ضروری ہے تو اس کام پر اقدام کرتا ہے، تو اس شخص کے دل کی اِس حالت کو تردد سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالی نے بھی مخلوق کو ان کے علم ومعرفت کے مطابق اِس لفظ سے مخاطب فرمایا اور اللہ نے اس کے ذریعہ اپنے نزدیک ولی کے شرف اوراس کے درجہ کی بلندی کو بتادیا۔(ارشادالساری ۱۳/ ۵۸۸)

''یَکْرَہُ الْمَوتَ وأناأکْرَہُ مَسَاءَتَه''یعنی مومن بندہ اپنی انسانی طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے موت کی سختی اور تکلیف کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بھی موت کی شدت کی وجہ سے اس کو پیش آنے والی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں، لیکن اس کے لیے موت ضروری ہے تا کہ وہ رنج وغم کے اس جہاں سے نکل کر ہمیشہ کے لیے نعمتوں اورخوشیوں کے جہاں میں پہنچ جائے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شفیق ومہربان باپ اپنے بیٹے کو علم وغیرہ سیکھنے کا مکلف کرتا ہے، بیٹے کو اگر چہ اس کی خاطر پریشانی اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس کی طبیعت پر شاق اورنا گوار گذرتا ہے، باپ ان سب باتوں کو جانتے ہوئے بھی اس کو مکلف کرتا ہے اس لیے کہ اس کی نظر ان کمالات پر ہوتی ہے جو اس مشقت و پریشانی

کے بعد حاصل ہوں گے۔(المرقاۃ ۵؍۱۴۴)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے موت کا فیصلہ فرما رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ’’كل نفس ذائقة الموت‘‘ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور موت روح کے جسم سے جدا ہونے کا نام ہے، اور یہ عمل انتہائی سخت تکلیف کے ساتھ انجام پاتا ہے، اور دنیا میں بندے کو پہنچنے والی تکلیفوں میں یہ سب سے زیادہ سخت تکلیف ہے، حضرت عمرؓ نے کعب احبارؒ سے موت کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے بتلایا کہ موت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بہت زیادہ کانٹوں والا درخت آدمی کے پیٹ میں ہو اور ایک طاقت ور شخص اس کو آدمی کے ہر ہر رگ و پے سے سختی کے ساتھ کھینچے، یہ سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے۔

اور جب حضرت عمرو بن العاصؓ کی جانکنی کا وقت ہوا تو آپ کے صاحبزادے نے موت کی صفت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میرے دونوں پہلو تخت سے دبا دیئے گئے ہیں اور میں سوئی کے ناکے سے سانس لے رہا ہوں اور ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی کانٹے دار ٹہنی میرے پیر سے سر تک کھینچی جا رہی ہے۔

تو جب موت اس شدت اور سختی کے ساتھ آتی ہے اور اللہ تعالی نے اپنے تمام بندوں کے لیے موت کو لازم فرما رکھا ہے اور موت سب کے لیے ضروری ہے اور خود اللہ تعالیٰ مومن کی تکلیف کو ناپسند بھی فرماتے ہیں تو اسی بات کو مومن کے حق میں تردد سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت کو دیکھنے کے بعد کسی ایسے شخص پر رشک نہیں آتا جس کے لیے موت کو آسان کر دیا گیا ہو، آپؓ فرماتی ہیں کہ موت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا، آپ اپنے دست مبارک کو پیالے میں ڈالتے اور پھر اس کو چہرے پر پھیرتے تھے اور یہ دعا پڑھتے: ’’اللّٰهُمَّ أَعِنِّي علىٰ سَكَرَاتِ الموتِ‘‘ اے اللہ موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

نئے سال کی آمد اور محاسبۂ نفس

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی

محرم الحرام ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دئے ہیں، محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یعنی محرم الحرام سے ہجری سال کا آغاز اور ذی الحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے، اس ماہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا مہینہ قرار دیا ہے، یوں تو سارے ہی دن اور مہینے اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، ماہ محرم کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس مہینے کا روزہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک صاحب نے آ کر پوچھا یا رسول اللہ! رمضان کے مہینہ کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رمضان کے مہینہ کے بعد تم کو روزہ رکھنا ہو تو محرم کا روزہ رکھو اس لئے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور دوسرے لوگوں کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔ (ترمذی)

جس قوم کی توبہ قبول ہوئی وہ قوم بنی اسرائیل ہے جیسا کہ اس کی وضاحت حدیث میں ہے کہ عاشورہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتدا ماہ محرم الحرام سے ہی کیوں کی گئی؟ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ماہِ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔

جواب عرض ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب ایک

نئے اسلامی کیلنڈر کوشروع کرنے کی بات آئی توصحابۂ کرام نے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا نبوت یا ہجرتِ مدینہ سے شروع کرنے کے مختلف مشورے دئے، آخر میں صحابۂ کرام کے مشورہ سے ہجرتِ مدینہ منورہ کے سال کو بنیاد بنا کر ایک نئے اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا، یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تمام سالوں کو زیرو (Zero) کر دیا گیا اور ہجرتِ مدینہ منورہ کے سال کو پہلا سال تسلیم کرلیا گیا، رہی مہینوں کی ترتیب تو اس کو عربوں میں رائج مختلف کیلنڈر کے مطابق رکھی گئی، یعنی محرم الحرام سے سال کی ابتدا۔ غرض یہ ہے کہ عربوں میں محرم الحرام کا مہینہ قدیم زمانے سے سال کا پہلا ہی مہینہ رہتا تھا، لہذا اسلامی سال کوشروع کرتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، اس طرح ہجرت مدینہ منورہ سے نیا اسلامی کیلنڈر تو شروع ہوگیا، مگر مہینوں کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

سورج کے نظام سے عیسوی کیلنڈر میں ۳۶۵ یا ۳۶۶ دن ہوتے ہیں، جبکہ ہجری کیلنڈر میں ۳۵۴ دن ہوتے ہیں، ہر کیلنڈر میں ۱۲ ہی مہینے ہوتے ہیں، ہجری کیلنڈر میں مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے جبکہ عیسوی کیلنڈر میں سات مہینہ ۳۱ دن کے، چار ماہ ۳۰ دن اور ایک ماہ ۲۸ یا ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔

سورج اور چاند دونوں کا نظام اللہ ہی نے بنایا ہے، شریعت اسلامیہ میں متعدد عبادتیں ہجری کیلنڈر سے مربوط ہیں، دونوں کیلنڈر میں ۱۰ یا ۱۱ روز کا فرق ہونے کی وجہ سے بعض مخصوص عبادتوں کا وقت ایک موسم سے دوسرے موسم میں تبدیل ہوتا رہتا ہے، یہ موسموں کی تبدیلی بھی اللہ تعالی کی نشانی ہے، ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ موسم کیسے تبدیل ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر غور وخوض کرنے کی دعوت دینی چاہئے، ظاہر ہے کہ یہ صرف اور صرف اللہ کا حکم ہے جس نے متعدد موسم بنائے اور ہر موسم میں موسم کے اعتبار سے متعدد چیزیں بنائیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے

اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں، پس دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔(سورۃ آل عمران ۱۹۰و۱۹۱)

ہم نئے ہجری سال کی آمد پر عزم مصمم کریں کہ زندگی کے جتنے ایام باقی بچے ہیں ان شاء اللہ اپنے مولا کو راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، ابھی ہم بقید حیات ہیں اور موت کا فرشتہ ہماری جان نکالنے کے لئے کب آجائے، معلوم نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ امور سے قبل پانچ امور سے فائدہ اٹھایا جائے، بڑھاپا آنے سے قبل جوانی سے۔ مرنے سے قبل زندگی سے۔ کام آنے سے قبل خالی وقت سے۔ غربت آنے سے قبل مال سے۔ بیماری سے قبل صحت سے۔(مستدرک الحاکم ومصنف بن ابی شیبہ)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا جب تک وہ ذیل کے سوالات کا جواب نہ دیدے: زندگی کہاں گزاری؟ جوانی کہاں لگائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ یعنی حصولِ مال کے اسباب حلال تھے یا حرام۔ مال کہاں خرچ کیا؟ یعنی مال سے متعلق اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔ علم پر کتنا عمل کیا؟

ہمیں اپنی زندگی کا حساب اپنے خالق و مالک ورازق کو دینا ہے جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، جو پوری کائنات کا پیدا کرنے والا اور پوری دنیا کے نظام کو تن تنہا چلا رہا ہے۔

ہمیں گزشتہ ۳۵۴ دن کے چند اچھے دن اور کچھ تکلیف دہ لمحات یاد رہ گئے ہیں باقی ہم نے ۳۵۴ دن اس طرح بھلا دئے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔

غرضیکہ ہماری قیمتی زندگی کے ۳۵۴ دن ایسے ہو گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، حالانکہ ہمیں ہجری سال کے اختتام پر یہ محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارے نامۂ اعمال میں کتنی نیکیاں اور کتنی

برائیاں لکھی گئیں۔

کیا ہم نے امسال اپنے نامۂ اعمال میں ایسے نیک اعمال درج کرائے کہ کل قیامت کے دن ان کو دیکھ کر ہم خوش ہوں اور جو ہمارے لئے دنیا وآخرت میں نفع بخش بنیں؟ یا ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ایسے اعمال ہمارے نامہ اعمال میں درج ہو گئے جو ہماری دنیا وآخرت کی ناکامی کا ذریعہ بنیں گے؟ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ امسال اللہ کی اطاعت میں بڑھوتری ہوئی یا کمی آئی؟ ہماری نمازیں، روزے اور صدقات وغیرہ صحیح طریقہ سے ادا ہوئے یا نہیں؟ ہماری نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوئیں یا پھر وہی طریقہ باقی رہا جو بچپن سے جاری ہے؟ روزوں کی وجہ سے ہمارے اندر اللہ کا خوف پیدا ہوا یا صرف صبح سے شام تک بھوکا رہنا؟ ہم نے یتیموں اور بیواؤں کا خیال رکھا یا نہیں؟ ہمارے معاملات میں تبدیلی آئی یا نہیں؟ ہمارے اخلاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا نمونہ بنے یا نہیں؟ جو علم ہم نے حاصل کیا تھا وہ دوسروں کو پہنچایا یا نہیں؟ ہم نے اپنے بچوں کی ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں کامیابی کے لئے کچھ اقدامات بھی کئے یا صرف ان کی دنیاوی تعلیم اور ان کو دنیاوی سہولیات فراہم کرنے کی ہی فکر کرتے رہے؟ ہم نے امسال انسانوں کو ایذائیں پہنچائی یا ان کی راحت رسانی کے انتظام کئے؟ ہم نے یتیموں اور بیواؤں کی مدد بھی کی یا صرف تماشہ دیکھتے رہے؟ قرآن کریم کے ہمارے اوپر جو حقوق ہیں وہ ادا بھی کئے یا نہیں؟ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی یا نافرمانی؟ ہمارے پڑوسی ہماری تکلیفوں سے محفوظ رہے یا نہیں؟ ہم نے والدین، پڑوسی اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کئے یا نہیں؟

تین طلاق پر عدالتی فیصلہ

کچھ معروضات

مولانا ندیم الواجدی

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مسلمانوں کا قیمتی اثاثہ بھی ہے اوران کی آخری امید بھی، اس کی کوئی آواز آج تک صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوئی ،مسلمان اس کی ایک اپیل پر دوڑے چلے آتے ہیں، گزشتہ دنوں تین طلاق کے معاملے میں اس نے مسلم خواتین کے دستخطوں کی مہم چھیڑی ، کروڑوں کی تعداد میں مسلم خواتین نے اس کے جاری کردہ محضر نامے پر دستخط کردیئے، ملی تاریخ میں یہ واقعہ ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے، بورڈ کا جب بھی کہیں کوئی جلسہ یا میٹنگ ہوتی ہے مسلمانوں کی نگاہیں اور دل اُدھر ہی متوجہ ہوجاتے ہیں۔

حال ہی میں تین طلاق پر عدالتی فیصلے سے پیدا شدہ صورت حال پر غور کرنے کے لیے بھوپال میں مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقد کی گئی ،مسلمانانِ ہند شدت کے ساتھ اس میٹنگ کے منتظر تھے اوراس سے کسی بڑے فیصلے کی امید لگائے بیٹھے تھے، عام تأثر یہ ہے کہ مجلس عاملہ نے اس معاملے کوٹالنے کی کوشش کی ہے، ہماری ملی تنظیموں اوراداروں کی یہ روایت رہی ہے کہ جب وہ کسی مسئلے کوٹالنا چاہتے ہیں تواسے کسی کمیٹی کے حوالے کردیتے ہیں، مجلس عاملہ نے بھی ایک کمیٹی بنادی ہے جوفیصلے کا تجزیہ کرے گی اوراپنی رپورٹ بورڈ کودے گی۔

اس عام تأثر کے برخلاف راقم کی رائے یہ ہے کہ مجلس عاملہ نے صحیح فیصلہ کیا ہے کیوں کہ سب سے پہلے تو عدالتی فیصلے کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ابھی تک تواس فیصلے کو جو تین سو پچانوے صفحات پر مشتمل ہے صحیح طریقے سے پڑھا بھی نہیں گیا، سمجھنا تو دور کی بات

ہے،جس وقت یہ فیصلہ آیا تھا اس وقت بعض لوگوں نے خوشی سے بغلیں بجائی تھیں، بورڈ کے وکیل نے تو اسے تاریخی فتح تک قرار دے دیا تھا،ہم حیران تھے یا اللہ! یہ کیسی فتح ہے،ہم تین طلاق کو باقی رکھنے کا مقدمہ لڑ رہے تھے یا ختم کرنے کا،فیصلے سے تو تین طلاق ختم ہوتی نظر آرہی ہے، بی جے پی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی ہے، وزیر اعظم تک نے ٹوئیٹ کر کے اس دن کو مسلم خواتین کی آزادی کا دن قرار دیا ہے، پھر یہ ہماری فتح ہے یا ان کی؟

عدالت نے چھے ماہ کے لیے تین طلاق پر پابندی لگا دی ہے،اور حکومت سے کہا ہے کہ وہ قانون سازی کر کے ہمیشہ کے لیے اس کا قصہ ہی پاک کر دے،عدالت نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر حکومت چھ ماہ کے اندر کوئی قانون نہیں بناتی تو یہ پابندی چھ ماہ کے بعد بھی برقرار رہے گی، گویا مدت کی بھی کوئی تحدید نہیں ہے،اب قانون سازی کی بھی ضرورت نہیں،حکومت بھی اپنی جگہ مطمئن کہ پابندی تو لگی ہوئی ہے، پہلے دن تو ہمارے بعض بزرگوں نے بھی فیصلے کا خیر مقدم کیا تھا لیکن جلدی ہی انھیں احساس ہو گیا کہ فیصلہ تو مایوس کن ہے۔

ایک بات جس پر بعض لوگ زیادہ اچھل کود کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ عدالت نے یہ مانا ہے کہ دستور کی دفعہ 25 کے تحت مسلم پرسنل لاء کو تحفظ حاصل ہے، لہٰذا اس میں کسی طرح کی مداخلت نہیں ہوسکتی، اوّل تو یہ رائے پانچ ججوں میں سے دو؛ جسٹس کھیر اور جسٹس عبدالنذیر کی ہے، باقی تین ججوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، پھر یہ بات سب جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوان اگر چاہیں تو وہ کسی قانون میں تبدیلی بھی کر سکتے ہیں،اس کو منسوخ بھی کر سکتے ہیں اور اس کی جگہ کوئی دوسرا قانون بھی لا سکتے ہیں،ججوں نے اسی پسِ منظر میں حکومت کو قانون سازی کی ہدایت دی ہے۔

یہاں یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ ہمارے قابل وکیل نے ہی معزز ججوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ یہ معاملہ حکومت کو بھیجیں، چناں چہ جسٹس نریمن اور جسٹس للت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے وکیل نے بامبے ہائی کورٹ کے فیصلے کو بطور نظیر پیش

کرتے ہوئے کہا کہ پرسنل لاء دفعہ 25 کی شق (۲) کے تحت بنیادی حقوق کے دائرے میں آتا ہے، عدالت اس کو ختم نہیں کرسکتی کیوں کہ یہ اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، وکیل نے عدالت کو بتلایا کہ اس شق میں ترمیم یا اصلاح کا حق صرف قانون ساز اسمبلی کو ہے، عدالت کو چاہئے کہ وہ تمام فریقوں کو وہیں بھیجے، چناں چہ معزز ججوں نے قابل وکیل کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ معاملہ حکومت کے حوالے کردیا۔

ہماری پہلے دن سے یہ رائے ہے اور فیصلے کے جو کچھ حصے اخبارات کے ذریعے ہم تک پہونچے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد آج تک ہم اسی رائے پر قائم ہیں کہ سارا کھیل بورڈ کے وکیل کا بگاڑا ہوا ہے، انھوں نے بڑی کمزور پیروی کی ہے، دلائل کے نام پر ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، وہ ججوں کو بہت سے امور میں مطمئن نہ کرسکے، نہ انھیں سمجھا پائے اور نہ ان کے کسی سوال کا تسلی بخش جواب دے سکے، نتیجہ یہی نکلنا تھا جو نکلا، ہمارا ماتھا تو اسی وقت ٹھنک گیا تھا جس دن انھوں نے آستھا اور عقیدت کا سوال کھڑا کیا تھا، اس وقت ان کے اس عدالتی بیان پر کافی واویلا مچا تھا کیوں کہ کسی چیز کا مرکز عقیدت ہونا الگ بات ہے اور اس کا حقائق سے مربوط ہونا بالکل الگ معاملہ ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ راقم سمیت بہت سے لکھنے والوں نے لکھا تھا کہ عدالتی فیصلے یا کسی بھی طرح کے وہ فیصلے جن میں حق وانصاف کے تقاضے بنیادی حیثیت رکھتے ہوں آستھا اور عقیدت کی بنیاد پر نہیں ہوتے، بلکہ ان میں حقائق اور شواہد کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے، بابری مسجد کے قضیے میں فریق مخالف کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسری دلیل نہیں ہے کہ وہ جگہ ہندوؤں کی آستھا کا مرکز ہے، مسلمانوں کا یہ پہلے بھی موقف تھا اور آج بھی یہی موقف ہے کہ یہ معاملہ حقِ ملکیت کا ہے، زمین ہماری ہے اور اس کے جائز دستاویزی ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں، اس پر جو مسجد تعمیر شدہ موجود تھی وہ جائز طریقے سے بنائی گئی تھی، کئی سو سال تک یہ مسجد غیر متنازعہ رہی، مسلمان ہی اس کے مالک، قابض اور متصرف رہے ہیں، اس

صورت میں فیصلہ آستھا پرنہیں حقائق پر ہونا چاہیئے۔

وکیل صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ آستھا کے دائرے سے باہر آتے اور عدالت کو تین طلاق کی حقیقت سے واقف کراتے اور یہ بتلاتے کہ تین طلاق شریعت کا حصہ ہے اور اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کچھ شواہد بھی عدالت کے سامنے رکھتے اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ عدالت کا فیصلہ کچھ اور ہوتا۔

عدالت کے فیصلے پر غور وخوض کرنے کا سلسلہ دیر ہی سے صحیح شروع ہونے جارہا ہے، اس سلسلے میں بورڈ کے وکیل کی بحثوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، مفتی یاسر ندیم نے تین سو پچانوے صفحات پر مشتمل عدالتی فیصلے کا بہ غور مطالعہ کرکے بورڈ کے وکیل کے بیانات اور ان پر ججز کے تبصروں کا تجزیہ کیا ہے، جس کو ان کی فیس بک وال پر دیکھا جاسکتا ہے، ان بحثوں سے ایسا لگتا ہے کہ جس معاملے میں وہ بحث کررہے ہیں اس سے ان کو پوری طرح واقفیت بھی نہیں ہے، کئی جگہ تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ جان بوجھ کر عدالت کو اس فیصلے کی طرف لانا چاہتے ہیں، مثلاً جسٹس کھیر اور جسٹس عبدالنذیر لکھتے ہیں: ”پرسنل لاء بورڈ کے وکیل کا کہنا یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ ان امور میں سے ہے جو مذہبی اعتبار سے بُرے اور قانونی اعتبار سے صحیح ہوتے ہیں، اس پر عدالت نے کہا کہ کسی مذہب میں ایسانہیں ہوتا کہ کوئی کام گناہ بھی ہو اور مذہبی بھی ہو“ اس موقع پر وکیل صاحب کہہ سکتے تھے کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں کہ کوئی کام بُرا ہونے کے باوجود واقع ہوجاتا ہے، مثلاً زنا، چوری، قتل وغیرہ بُرے کام ہیں، تمام مذاہب میں گناہ ہیں، ہر ملک کے قانون میں جرم ہیں، مگر جب کوئی زنا کرتا ہے زنا واقع ہوتا ہے، چوری کرتا ہے تو چوری ہوتی ہے، قتل کرتا ہے تو قتل ہوتا ہے، طلاق ثلاثہ کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے کہ یہ گناہ ہے، غلط ہے، لیکن اور جرائم کی طرح یہ بھی واقع ہوتی ہے۔

ہمارے وکیل صاحب اس سلسلے میں عدالت کو قائل نہ کرسکے اور نہ کچھ سمجھا پائے، اس کے علاوہ بھی انھوں نے کئی موقعوں پر عدالت کو تسلی بخش جوابات نہیں دیئے، مثال کے طور پر وہ

یہ نہیں بتلا سکے کہ طلاق ثلاثہ کا ذکر قرآن میں موجود ہے، عدالت یہ سمجھتی رہی کہ تین طلاق کا ذکر کیوں کہ قرآن میں نہیں ہے اس لیے وہ شریعت کا حصہ بھی نہیں ہے، حالاں کہ عدالت کو بتلایا جاسکتا تھا کہ قرآن کریم میں تین طلاق کا ذکر موجود ہے، اس کے ساتھ ہی عدالت کو یہ بتلانے کی بھی ضرورت تھی کہ اگر کوئی حکم قرآن میں نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شرعی حکم نہیں ہے، شریعت صرف قرآنی احکامات کا نام نہیں ہے اور نہ تنہا قرآن کریم شریعت کا مأخذ ہے، اس موقع پر وکیل صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ عدالت کو بتلاتے کہ قرآن کے علاوہ بھی شریعت کے تین مأخذ ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ، اجماعِ امت اور قیاس، عدالت وکیل صاحب کی کمزور اور غیر مدلل بحث کے نتیجے میں یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ حدیث قرآن کی طرح قابل اعتماد نہیں کیوں کہ اس کی تدوین بہت بعد میں ہوئی ہے۔

یہ کہا جارہا ہے کہ دو ججوں کی رائے ہمارے حق میں ہے، مجھے تو نہیں لگتا کہ ان کی رائے ہمارے حق میں آئی ہے، وہ دونوں طلاق ثلاثہ کو صدیوں سے جاری ایک رواج کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رواج کو خصوصاً اگر وہ گناہ ہو عدالت ختم کرسکتی ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پرسنل لاء بورڈ کے وکیل نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جدید دور میں طلاق ثلاثہ کی ضرورت نہیں ہے، ہم پھر اپنے اس سوال کا اعادہ کریں گے کہ بورڈ کے وکیل طلاق ثلاثہ کو باقی رکھنے کی وکالت کررہے تھے یا ختم کرنے کی، ان کے اس اعتراف کے بعد کہ جدید دور میں طلاق ثلاثہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے مقدمے میں کیا رہ جاتا ہے، اس کمزور پیروی کا جو نتیجہ نکلنا تھا وہ نکلا ہے۔

اصل میں تو مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کردہ کمیٹی کو عدالتی فیصلے کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ وکیل صاحب نے کیس جیتنے کے لیے لڑا تھا یا ہارنے کے لیے، انھوں نے اس کے لیے پوری طرح تیاری کیوں نہیں کی، وہ عدالت کو مطمئن کیوں نہیں کرسکے، عدالت نے جو سوالات ان سے کئے وہ ان کا جواب کیوں

نہیں دے سکے، یقیناً بورڈ کی طرف سے ان کے کچھ معاون بھی رہے ہوں گے جو ان کی علمی رہنمائی کررہے ہوں گے، ان میں سے کس نے وکیل صاحب کو یہ بات بتلائی کہ مدعیان کی طرف سے پیش کی گئی حدیثوں کو یہ کہہ مسترد کردیا جائے کہ وہ تفسیر ابن کثیر اور یوسف قرضاوی کی کتابوں سے لی گئی ہیں اور یہ دونوں سلفی ہیں اس لیے ان کی پیش کردہ احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں، کیا اس طرح کی بات ہم نے خود ہی ججوں کے ذہنوں میں نہیں ڈالی کی بہت سی احادیث اعتبار کے قابل نہیں ہوتیں، یہی وجہ ہے کہ جج حضرات یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ حدیث قرآن کی طرح معتبر نہیں ہے۔

غرض یہ کہ مقدمے کی پیروی میں بڑا جھول تھا، بڑا سقم تھا جس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا ہے اور آئندہ بھی بھگتنا پڑے گا، آج طلاق ثلاثہ ختم ہوئی ہے، کل تعدد ازدواج کا معاملہ عدالت میں پیش ہونے جارہا ہے، آہستہ آہستہ یہ عدالتیں اور حکومتیں پورے مسلم پرسنل لاء کو ختم کردیں گی اور مسلمان کچھ بھی نہ کرسکیں گے، تین معزز ججوں نے یہ بات واضح کردی ہے کہ شریعت ایکٹ (مسلم پرسنل لاء) دستور کی تدوین سے پہلے کا ہے اور دستور میں یہ شق موجود ہے کہ پرانے قوانین صرف اسی صورت میں باقی رہیں گے کہ ان سے دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو، وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت ایکٹ پر از سرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے، دستور کا آرٹیکل 25 مذہبی آزادی ضرور دیتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ صحت، اخلاقیات، مساوات اور دیگر بنیادی حقوق سے متصادم نہ ہو۔

یہ ہے فیصلے کا اصل نقطہ اور لبِّ لباب، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لاء کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، تنہا مساوات کو ہی آڑ بنا کر بہت کچھ کیا جاسکتا ہے، مردوں سے طلاق کا حق بھی چھینا جاسکتا ہے، ایک سے زائد نکاح کو بھی خلاف قانون قرار دیا جاسکتا ہے، عورتوں کو مال وراثت میں برابر کا حصہ دیا جاسکتا ہے، یتیم پوتوں کو بھی وارث بنایا جاسکتا ہے، مساوات میں تو بڑی گنجائش ہے اور اخلاقیات میں تو اس سے بھی زیادہ۔

راستے کا حق

ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی قاسمی

موجودہ دور میں راستہ سے متعلق مستقل نظام وجود میں آچکا ہے، قانون کی لمبی چوڑی فہرست ہے جس میں معمولی سا بھی خلل ہماری تمدنی زندگی کے ڈھانچے کو درہم برہم کر دیتا ہے، راستہ کی اہمیت کا یہ شعور جو انسانوں میں اب عام ہوا ہے، اسلام نے اس کی جانب بہت پہلے توجہ دلائی؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کم از کم چوڑائی سات ہاتھ یعنی دس فٹ ذکر فرمائی ہے۔ اجعلوا الطريق سبعة اذرع (ترمذی) راستہ کی چوڑائی کم از کم سات ہاتھ رکھو۔

اسلام نے حقوق وواجبات کی فہرست میں راستہ کے حق کا اضافہ کیا اور اس بات کو یقینی بنانے کا حکم دیا کہ راستہ مسافروں کے لیے مامون ومحفوظ ہو اور انھیں دوران سفر کسی پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے، اس کے لیے کسی بھی تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا بھی ایک عبادت بنا دیا گیا؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الإيمان بضع وسبعون شعبة أو بضع وستون شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق** (بخاری ومسلم)

ایمان کے بہت سے شعبے ہیں ان میں سے پہلا ''کلمہ'' یعنی لا الہ الا اللہ اور ''آخری'' راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ وناپسندیدہ چیزوں کا ہٹانا کوئی عام سا صدقہ نہیں بلکہ یہ اتنا بڑا عمل خیر ہے جو انسان کی مغفرت کے لیے کافی بھی ہے۔

بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فاخره فشكر الله له فغفر له (بخاری ومسلم) راستہ چلتے ہوئے ایک شخص کو کانٹوں بھری ٹہنی نظر آئی تو اس نے اسے

راستہ سے ہٹادیا، اس پر اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :لقد رأیت رجلا تتقلب فی الجنۃ فی شجرۃ قطعھا من ظھر الطریق کانت توذی الناس (مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص صرف اس بنیاد پر جنت میں چلا گیا کہ اس نے راستہ میں موجود درخت کو کاٹ کر ہٹادیا تھا جس سے لوگوں کو دشواری ہوتی تھی۔

گھر یا دکان کے سامنے راستہ پر بیٹھنا، ٹھہرنا یا خوش گپیوں میں وقت گذارنا اسلام کی نظر میں یہ انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے؛ اس لیے کہ راستہ پر ٹھہرنے سے وہاں سے گذرنے والوں کو نہ صرف راستہ کی تنگ دامنی کا شکوہ ہوتا ہے؛ بلکہ یہ بعض کے لیے الجھن کا باعث بھی ہوتا ہے، خاص طور پر باحیا خواتین کے لیے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ پر ایسی کسی بھی بزم آرائی سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ بحالت قیام ہو یا قعود، لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ اجتناب کرنا چاہیے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے یہ ناگزیر ہو تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے راہگیروں کو کوئی دشواری نہ ہو۔

ایاکم والجلوس علی الطرقات فقالوا:ما لنا بد انما ھی مجالسنا نتحدث فیھا قال:فاذا ابیتم الا المجالس فاعطوا الطریق حقھا قالوا وما حق الطریق قال غض البصر وکف الأذی ورد السلام وأمر بالمعروف ونھی عن المنکر (بخاری) راستہ پر بیٹھنے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو ہماری مجلسیں ہیں جہاں ہم بات چیت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بیٹھنا ہی ہے تو راستہ کا حق ادا کرو، صحابہ نے دریافت کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر نیچی رکھو، کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ، سلام کا جواب دو، اچھائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

راستہ کی حق تلفی کے بہت سے طریقے ہیں جن میں اہم راستہ میں کسی ایسی چیز کا ڈال دینا ہے جو گذرنے والوں کے لیے تکلیف کا سبب بنے جیسے کچرا، ٹوٹی ہوئی کانچ، یا پھر کیل اسی طرح راستہ

پرضرورت سے فارغ ہوناوغیرہ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسےلوگوں کولعنتی قراردیاہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم اتقوا اللعانين قالوا: وما اللعانان يا رسول الله! قال الذي يتخلى في طريق الناس أو في ظلهم (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دولعنت کرنے والوں (یعنی اپنے لیےلعنت کا سبب بننے والے دوکاموں) سے بچو،صحابہ نے دریافت کیا یہ دونوں کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوراستہ یاوہاں موجودسایہ میں ضرورت سے فارغ ہوتے ہیں۔

راستہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی میں ایک اہم زیادتی دکانداروں کااپنی دکان روڈ تک بڑھادیناہے،اس کے علاوہ ریڑھی والے جوراستہ میں ہی اپنی ریڑھیاں ٹھہرا کرکاروبارکرتے ہیں اس کی وجہ سے راستہ تنگ ہوجاتاہےاورلوگوں کوآمدورفت میں دشواری ہوتی ہے۔

معروف بزرگ شیخ ابوطالب المکی المتوفی ۳۸۶ھ جن کے افادات امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاءعلوم الدین میں نقل کیا ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کے زمانہ میں ثقہ اوردیندارلوگ راستہ پردھندہ کرنے والوں سے لین دین معیوب سمجھا کرتے تھے، امام غزالیؒ نے اپنی معروف کتاب احیاءعلوم الدین میں ’’منکرات الشوارع‘‘ کے نام سے ایک مستقل فصل قائم کی ہےاوراس میں تفصیل سے راستہ میں کئے جانے والے ان تصرفات کاذکرکیاہےجس کی وجہ سے راستہ چلنے والے کودشواری ہوتی ہے جیسے گھر کے سامنےٹنٹ لگانااوراس کاکھونٹاسڑک پرگاڑنا،جانوروں کوروڈ پرباندھنا،پانی کی موری (نالی) روڈ پرچھوڑنا،بالکونی،چھجہ وغیرہ راستہ کی جانب نکالنا،انہوں نے ایسےتمام عمل کومکروہ قراردیاہے۔

راستہ کے سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں ایک انتہائی غلط روایت چل پڑی ہے،وہ مکان کی تعمیرمیں راستہ کاکچھ حصہ اس میں شامل کرلیناہے،اوراگرکوئی شریف النفس یہ نہ کرے جب بھی گھر کی سیڑھی ہرحال میں راستہ پربناتے ہیں،اوراس سلسلہ میں بعض اتنی فیاضی سے کام کرلیتے ہیں کہ تقریباپانچ فٹ سے کم جگہ پراکتفانہیں کرتے،محلہ کی گلیاں عام طورپر ۲۰ فٹ سے ۲۵ فٹ چوڑی

ہوتی ہیں، جب اس کے دونوں جانب کے مکیں آگے بڑھ آتے ہیں تو پھر راستہ دس سے پندرہ فٹ ہی بچ جاتا ہے، اس پر مستزادلوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنی گاڑیاں راستہ پر ہی ٹھہراتی ہے اس کی وجہ سے یہ گلیاں اس قدر تنگ ہوجاتی ہیں کہ وہاں سے کوئی چھوٹی گاڑی بھی مشکل سے گذرتی ہے، ہنگامی طبی صورتحال میں ایمبولنس کے پہنچنے سے پہلے ہی مریض دم توڑ دیتا ہے، اسی طرح آگ لگنے کی صورت میں فائر بریگیڈ کی گاڑی مطلوبہ جگہ تک جلد نہیں پہنچ پاتی ہے جس کی وجہ سے ایک چھوٹا سا حادثہ بڑے حادثہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

راستہ کی زمین کا کوئی بھی حصہ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ مکان کی تعمیر میں شامل کرنا غصب کے ضمن میں آتا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اخذ شبرا من ارض ظلما طوقه الله يوم القيامة من سبع ارضين (بخاری) جس نے ایک بالشت زمین بھی کسی کی ہڑپ لی تو اللہ قیامت کے دن سات تہہ زمین اس کے گلے میں لٹکائے گا۔

راستہ کی زمین کے ہڑپ کر لینے کا طریقہ اس قدر عام ہو چلا ہے کہ اس کی قباحت وشناعت بہت سے دیندار لوگوں کے ذہنوں سے بھی محو ہو چکی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مکانوں کی تعمیر کے دوران راستہ کی حرمت کا خیال نہیں رکھتے، اتنا ہی نہیں خالص دینی کام جیسے مساجد، عیدگاہ، وغیرہ کی تعمیر کے موقع پر بھی ایک دو فٹ راستہ کی زمین اس میں شامل کر دیتے ہیں اور اگر یہ نہ کریں تو کم از کم سیڑھی ضرور راستہ پر بناتے ہیں، مسجد کی تعمیر بلا شبہ ایک بہت بڑا خیر کا کام ہے جو اس اہل خیر کو جنت تک پہنچائے گا؛ لیکن راستہ پر بنائی جانے والی سیڑھی جنت میں نہیں بلکہ جہنم میں ہی اتارے گی۔

عن سهل بن معاذ عن أبيه قال:غزونا مع النبي صلى الله عليه وسلم فضيق الناس المنازل وقطعوا الطريق فبعث النبي صلى الله عليه وسلم مناديا ينادي في الناس:من ضيق منزلا أو قطع طريقا فلا جهاد له (أبوداود) سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک غزوہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو لوگوں

نے خیمے لگانے میں راستہ کی جگہ تنگ کردی، اور عام گذرگاہ کو بھی نہ چھوڑا، اللہ کے رسول کو اس صورتحال کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والا بھیجا، جس نے اعلان کیا کہ جو شخص خیمہ لگانے میں تنگی کرے یا راستہ میں خیمہ لگائے تو اس کا جہاد (قبول) نہیں ہے۔

بہت سے لوگ نماز کے اوقات میں خاص طور پر جمعہ کے دن اپنی گاڑیاں مساجد کے سامنے راستہ پر اس طرح پارک کردیتے ہیں کہ وہاں سے گذرنے والوں کو اس کی وجہ سے کافی دشواری ہوتی ہے، بعض لوگ تو بیچ راستہ میں ہی پارک کرکے چلے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ کے حق کا خیال نہ رکھنے والوں کے جہاد جیسی عظیم عبادت کو رائیگاں قرار دیا ہے، تو پھر بعض مصلیوں کی یہ حرکت کیا ان کی نمازوں پر سوالیہ نشان نہیں لگادیتی ہے؟ لہٰذا مساجد کے سامنے راستہ پر اصلا گاڑی پارک ہی نہیں کی جانی چاہیے، اور اگر اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ گاڑی بالکل کنارے پارک کریں؛ تاکہ راستہ نہ تنگ ہو، نہ بند ہو اور گذرنے والے آسانی سے گذریں۔

لہٰذا ٹریفک قوانین کی پاسداری شرعا ضروری ہوگی؛ اس لیے کہ اس کا مقصد راستہ کو ہر ایک کے لیے مامون ومحفوظ بنانا ہے، لہٰذا ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی یا راستوں پر کوئی ایسی حرکت جو راہگیروں کے لیے خطرہ یا پریشانی کا باعث بنے جیسے بہت تیز گاڑی چلانا، سڑک پر ریس لگانا، خطرناک طریقہ سے اُورٹیک کرنا، بلا ضرورت تیز ہارن بجانا، ریڈ سگنل کراس کرنا نہ صرف قانونا؛ بلکہ شرعی اعتبار سے بھی قابل مواخذہ جرم ہے۔

دعائے مغفرت کی درخواست

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اسپتال ''المستشفیٰ عنایت الٰہی'' کے انچارج جناب ڈاکٹر محمد انعام الدین کے والد محترم جناب محمد شرف الدین صاحب ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء تقریبا چار بجے شام کو وفات پاگئے۔

تمام قارئین کرام سے دعائے مغفرت وایصال ثواب کی درخواست ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

دینی مدارس کے بنیادی مقاصد

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

گذشتہ مجلس میں دینی مدارس کے بنیادی مقاصد کے تحت انجام پانے والے اُمور کے تین مراحل میں سے پہلے مرحلے کا بیان چل رہا تھا، اس سلسلہ میں بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ایک ملفوظ بہت اہم اور قیمتی ہے، حضرتؒ نے فرمایا:

"علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے، اور ان کی ادائیگی کی فکر کرنے لگے، لیکن اگر وہ اس کے بجائے، اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے، تو پھر یہ علمی کبر وغرور ہے، جو اہلِ علم کے لیے بڑا مہلک ہے" انتہی۔

لہٰذا عالم کو محض ناقد ومبصر نہیں بننا چاہیے، بلکہ اپنے عمل کی درستگی اور پختگی کے اہتمام کے ساتھ، بحیثیت دینی خدمت کے، اَمر بالمعروف، نہی عن المنکر، اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل وغیرہ کے شرعی فرائض انجام دینے چاہئیں، جیسا کہ ان کی تفصیل آگے آتی ہے۔

۲ — دوسرا مرحلہ دعوت اِلی اللہ اور تبلیغِ دین کا ہے:

ہمارے دینی مدارس میں اِس مرحلے کے تحت یہ اُمورانجام پاتے ہیں:

(۱) منبر ومحراب کے ذریعے تقریر وبیان، اور دعوت اِلی اللہ، جیسا کہ {**ادع إلی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ**} میں اِس کا حکم دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ "حکمۃ" کی راجح تفسیر (بقول امام فخر الاسلام بزدوی حنفیؒ): شریعت اور فقہی قانون ہے، کہ دعوت کا کام شرعی اُصول کے مطابق انجام دیا جائے۔

(۲) مکاتبِ قرآنیہ کے ذریعے خدمتِ تلاوتِ قرآن، جیسا کہ {**یتلو علیہم آیاتہ**} میں اس کو وظائفِ رسالت میں سے شمار کرایا گیا ہے۔

(۳) درسِ نظامی کے ذریعے تعلیمِ کتاب وحکمت، جیسا کہ {**ویعلمهم الکتاب والحکمة**} میں منصبِ نبوت کے تحت یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے۔

جوعلوم وفنون اپنی بشری ضروریات اور فطری تقاضوں کے تحت اِنسان خود ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں، یا عقل وتجربے سے حاصل کرلیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اُن میں نہ کسی نبی کی ضرورت ہے، اور نہ کسی سلسلۂ نبوت کی، نبی تو ہوتا ہی ہے اُن علوم کو بندوں تک پہنچانے اور سکھانے کے لیے جو بندے ازخود نہیں سیکھ سکتے تھے، اِسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: {**ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون**} (یہ نبی تمھیں وہ باتیں سکھلاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے)۔

ہمارے دینی مدارس میں تعلیمِ کتاب وحکمت کی اِس ذمہ داری کے تحت یہ اُمور اَنجام پاتے ہیں:

الف: تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں کے ذریعے: موت سے لے کر حیات تک، طہارت سے لے کر میراث تک، اور ذاتیات سے لے کر اِجتماعیات تک کے سارے اَحکامِ دین پڑھے اور پڑھائے، سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں۔

ب: اللہ تعالیٰ کے فرمان: {**یا أیها الرسولُ بَلِّغْ ما أنزل إلیک من ربک**} (اے رسول! آپ اُن تمام چیزوں کی تبلیغ فرمائیے جو آپ پر نازل کی گئی ہیں) پر عمل کرتے ہوئے، اُمت کی دینی ہدایت ورہنمائی کے تعلُّق سے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے؛ بحیثیت وارثینِ رسول کے، اُن تمام اَحکام کی مکمل ’’تبلیغ‘‘ کی جاتی ہے، سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ ناس تک قرآن کریم کے الفاظ ومعانی کی ’’تبلیغ‘‘، اور کتاب الایمان سے لے کر کتاب الزہد والرقاق تک حدیث پاک کی (متناً وشرحاً) تبلیغ کی جاتی ہے۔

ج: بلکہ جن اَبوابِ دین پر فی الحال عمل کے مواقع نہیں ہیں؛ صرف اُن کے تحفظ اور اِبقاء کی نیت سے اُن کی بھی باقاعدہ تعلیم وتدریس اور تبلیغ واِشاعت ہوتی ہے، **فللّٰہ الحمد والمنة، وذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء**۔

د: سیرت، تاریخ اور اَدب کا وہ حصہ جن پر فہمِ شریعت موقوف ہے، اُس کی بھی ضروری تعلیم

کا سلسلہ ہے، احادیث کی اکثر کتابوں میں کتاب الانبیاء، شمائل نبوی، مغازی، مناقب وغیرہ کا بیان ہوتا ہے، جن پر راویوں کے ذاتی اور فکری اَحوال کے بیان، اور ضروری جرح وتعدیل کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے، اِس طرح سے انبیاء علیہم السلام کے اہم واقعات، سیرت نبوی کے ضروری پہلو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب اور اسلام کی اُن ابتدائی قرون کے مستند اِجمالی حالات سامنے آجاتے ہیں، جن پر دین کا صحیح تصور اور معتبر فہم موقوف ہے۔

یہ تمام اُمور تو کسی نہ کسی درجے میں الحمدللہ ہر اُس دینی مدرسے سے بہرحال اَنجام پاتے رہتے ہیں جس میں درسِ نظامی کے تحت، سنجیدگی کے ساتھ دورۂ حدیث شریف تک (یا کم ازکم مشکوٰۃ تک) تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہے (کوئی فرد یا مدرسہ عملی کوتاہی کر رہا ہو تو اُس کا وہ خود ذمہ دار ہے، نصاب ونظام پر اُس کی ذمہ داری نہیں ہے)۔

(۴) اور جن مدارس میں کوئی صاحبِ اِرشاد بزرگ ہوتا ہے اُن مدارس میں **{ویز کیھم}** (منصبِ تزکیہ کے تحت) حلقۂ ذکر وفکر، اور تربیتِ نفوس واَخلاق کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

دینی مدارس سے اِن کے علاوہ جو اہم اُمور انجام پارہے ہیں وہ تیسرے مرحلے میں آتے ہیں:

۳- تیسرا مرحلہ حفاظتِ نصوص کا ہے: یہ بہت ہی اہم ترین اور نازک ذمہ داری ہے، اور اِسی ذمہ داری کو کما حقہ اَدا کرنے کا اَہل بنانے کے لیے مدارس کا یہ لمبا چوڑا سلسلہ، اور اُن میں رائج (نحو، صرف، اَدب، لغت، بلاغت، منطق، فلسفہ جیسے علومِ آلیہ، اور فقہ واُصولِ فقہ، حدیث واُصولِ حدیث اور تفسیر واُصولِ تفسیر جیسے علومِ عالیہ پر مشتمل) "درسِ نظامی" کے عنوان سے نصابِ تعلیم کا بھاری بھرکم نظام جاری ہے۔

ایک ہے کسی عبارت کو پڑھ کر اور خود سمجھ کر عمل کرنا، یا دوسروں کو سمجھا دینا، یہ کتبِ لغت کی مراجعت سے کوئی بھی باذوق عالم کرسکتا ہے، مگر اِس کے آگے کا مرحلہ ہے: کسی عبارت کا جو واقعی مطلب اور مراد ہے اُس کو خود بھی سمجھنا، اور جو دوسرے لوگ اُس کے فہم میں غلطی کر رہے ہیں، اُن کی غلطی کو محسوس کر کے، اُس کے غلط ہونے کو ثابت کرنے کی اہلیت پیدا ہوجانا۔

اِس کی ایک موٹی سی مثال یہ دی جاسکتی ہے، کہ ایک حدیث ہے: ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**'' (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)[ابن ماجہ ۲۲۴]علم کی ضرورت واہمیت کے سلسلے میں یہ حدیث زباں زد خاص وعام ہے، آج کل کے جدید تعلیم یافتہ (اور اُن سے متاثر ومرعوب) حضرات اِس حدیث کو علمِ دنیا پر بھی منطبق کرتے ہیں، اور اِس میں مطلق ''علم'' مراد ہونے کا دعوی کرتے ہیں، اِس کے برخلاف حضرت تھانویؒ نے اِس کو تحریفِ معنوی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں متعین طور پر ''علمِ دین'' ہی مراد ہے۔

اَب اِس بحث کی صحت وسقم کو اُصولی طور پر جانچنے اور پرکھنے کے لیے درسِ نظامی کی تعلیم کی ضرورت ہے، جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہاں ''**العلم**'' پر ''الف ولام'' داخل ہے، اور وہ تین معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے: اِستغراق، جنس، اور عہد وتخصیص، اگر یہاں اِس کو اِستغراق کا مانا جائے تو مطلب ہوگا کہ تمام علوم کا حاصل کرنا ہر ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے، جیسا کہ ''**کل مسلم**'' اِس پر دلالت کررہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک ناممکن العمل فریضہ ہوگا، جو شریعت کے اُصول: {**لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها**}[البقرۃ ۲۸۶] کے خلاف ہے، اور اگر ''الف ولام'' کو جنس کا مانا جائے تو مطلب ہوگا کہ مطلق کسی بھی علم (مثلاً جادو، مسمریزم، طب وغیرہ) کے حاصل کرلینے سے بھی یہ فریضہ ادا ہوجائے گا، حالاں کہ جب تک اُن اَحکام کا علم نہ حاصل کیا جائے جو ہر ہر بندے سے شریعت میں مطلوب ہیں، جیسے اِیمان، نماز، روزہ وغیرہ، اُس وقت تک تحصیلِ علم کا شرعی فریضہ پورا ہی نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا یہ الف ولام: عہد اور تخصیص کا ماننا متعین ہے، اور وہ مخصوص علم وہی فرض ہوگا جو شریعت کے فرض کردہ اعمال سے متعلق ہوگا۔

واضح رہے کہ یہ سب قیل وقال صرف اِس حدیث کے شرعی مفہوم میں پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کے تناظر میں ہے، ورنہ اصطلاحِ شریعت میں ''علم'' سے مراد شرعی علم ہی ہوتا ہے، یہ مسئلہ متقدمین اور سلفِ صالحین کے ہاں مسلمات میں سے ہے، حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں اِس پر ایک باب بھی قائم کیا ہے: ''**باب معرفة أصول العلم وحقیقته، وما الذي یقع علیه اسم الفقه والعلم مطلقاً**''۔

حاصل یہ کہ دینی تعلیم کا یہی وہ مرحلہ ہے جس کی تیاری کے طور پر ہمارے مدارس میں زیر درس کتابوں کو ترکیب وتعلیل، تجزیہ وتحلیل، قیل وقال اور مباحثہ وجدال کے طرز پر پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔

حفاظتِ نصوص کی اِس ذمہ داری کے تحت ہمارے دینی مدارس میں یہ اُمور اَنجام پاتے ہیں:

(۱) دارالافتاء کے ذریعے: حدود اللہ کی حفاظت وترجمانی، حلت وحرمت کے مسائل اور اَحکامِ دین کی تبلیغ، کتاب وسنت کی تعبیر وتشریح اور حالات واَفراد کے اعتبار سے اُن کی تطبیق۔

(۲) دارالافتاء، شعبۂ تخصص فی الحدیث، مناظرہ اور تحقیقات کے شعبوں کے ذریعے: تقریری، تحریری، تصنیفی، تالیفی؛ مختلف طور پر علمی مباحثہ ومجادَلہ، تحریفات وتلبیسات کی نشاندہی، باطل اَفکار ونظریات اور ملحدین کی تشکیکات کا رد، اور معاشرہ میں پائی جانے والی دینی بے اِعتدالیوں کی اِصلاح۔

یہ وہ بنیادی اور اَہم اُمورِ دین ہیں جن کی بقاء، اِشاعت، اور ترقی کے لیے دینی مدارس کا یہ مبارک سلسلہ قائم اور باقی ہے، اگر خدانخواستہ عملی پہلو سے کسی قسم کی کوتاہی بھی سامنے آرہی ہو، جب بھی اِن اُمور کے تحفظ اور تسلسل کے لیے قدیم طرز کے دینی مدارس کا وجود ایک ناگزیر ضرورت، اور ایک بے بدل نعمت ہے۔

قرآن کریم میں {تلک حدود اللہ} (یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں) کی تعبیر، ہر جگہ شرعی مسائل (میراث، نکاح اور طلاق وغیرہ) ہی کے ساتھ اِستعمال کی گئی ہے، شریعت کی اِن حدود اور سرحدوں کی حفاظت اَربابِ مدارس اور علمائے کرام ہی کرتے ہیں، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے ''درسِ ترمذی'' میں فرمایا ہے کہ علماء: دین کے ٹھیکیدار تو نہیں، ہاں چوکیدار ضرور ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِرشاد {إنا نحن نزلنا الذکر و إنا لہ لحافظون} سے بھی علماء کی فضیلت واہمیت ثابت ہوتی ہے، اِس لیے کہ اِس ''ذکر'' کی حفاظت کا ذریعہ اللہ نے علمائے کرام (اور دینی مدارس) ہی کو بنایا ہے'' اھ (مجالس مصلح الامتؒ)۔

کسی بھی ملک کے لیے سرحدوں کی حفاظت اور دِفاع کا معاملہ کتنا نازک اور حساس ہوتا ہے، مفتی محمد تقی صاحب اپنی تفسیر ''توضیح القرآن'' میں {ورابطوا} کے تحت لکھتے ہیں: ''اِس رباط میں جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ، نظریاتی سرحد کی حفاظت بھی شامل ہے''۔ (باقی آئندہ)

شیخ یونس صاحبؒ کے سفرِ حرمین کی کچھ یادیں

(مولانا عبدالرحیم لمباڈا) یکے از خدامِ شیخ واستاذِ دارالعلوم بری (یوکے)

حضرت شیخ یونسؒ نے اپنا پہلا حج ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں ادا فرمایا، اس کے بعد ہر سال حج میں تشریف لے جاتے رہے، بجز ۱۹۹۷ء کے، جس میں منیٰ میں ہندستانی خیموں میں آگ چلی تھی اور اس حادثہ میں تقریباً پانچ ہزار آدمی شہید ہوئے تھے، حضرت کا آخری حج ۱۴۳۷ھ میں ادا ہوا، اس حساب سے حضرت نے کل چھتیس (۳۶) حج ادا فرمائے، اس کے علاوہ عمرے تو بے حساب ادا فرمائے، اللہ تعالیٰ حضرت کے تمام اسفار کو قبول فرما کر ان کے لیے رفعِ درجات کا سبب بنائے آمین!

راقم الحروف کو بھی ان میں سے بہت سے اسفار میں رفاقت حاصل رہی، اپنی کچھ یادیں قلمبند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ میری مدد کرے آمین!

احقر کا تعلق تو حضرت والا سے ۱۹۸۲ء سے ہے، جب احقر مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا تھا اور حضرت سے خط و کتابت رہتی تھی۔ پھر ۱۹۸۴ء مزید تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارن پور حاضری ہوئی، اس وقت فنون میں داخلہ لیا مگر بخاری و مسلم کی سماعت حضرت سے نصیب ہوئی پھر میرا حج کا پہلا سفر ۱۹۸۹ء میں ہوا۔ اس سال تو زیادہ ساتھ رہنا نصیب نہیں ہوا مگر اس کے بعد والے سال ۱۹۹۰ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج میں جانا نصیب ہوا، حضرت مولانا بلال صاحب دامت برکاتہم ہمارے قافلہ کے امیر تھے، حج کے بعد آپ اکثر رفقا کے ساتھ مدینہ شریف چلے گئے اور وہاں سے گھر لوٹے، احقر چند رفقا کے ساتھ دو ہفتے مزید مکہ مکرمہ میں رہ کر پھر مدینہ شریف جانے والا تھا، اس لیے حضرت والا سے عرض کیا گیا کہ آپ حرم کے قریب ہمارے ہوٹل میں تشریف لے آئیں۔

حضرت والا کا قیام اُن دنوں حرم شریف سے کافی دور مولانا عبدالوحید ملک صاحب کے مکان پر تھا، مولانا عبدالوحید صاحب آپ کو عصر کے وقت حرم چھوڑ جاتے اور عشا کے بعد لینے آتے، اس

دوران ہم حضرت کے ساتھ حرم میں رہتے، عشا سے فراغت کے پر آپ مکتبہ امدادیہ میں آ کر تشریف فرما ہوتے اور کتاب دیکھتے رہتے یہاں تک کہ مولانا عبدالوحید صاحب لینے آجائیں، حج کے پانچ دن ملک عبدالحق صاحب کے مخیمات میں گزارتے، ان دنوں اکابر عموماً ملک عبدالحق صاحب کے قافلہ میں حج کرنا پسند کرتے تھے، میری درخواست پر حج سے فراغت کے بعد حضرت والا ہمارے حجرے (ہوٹل) میں تشریف لے آئے، ان دنوں حضرت والا کو پتھری کی شکایت تھی اور کھانے میں ٹماٹر سے پرہیز کی ہدایت تھی، میری اہلیہ کو پورے دو ہفتے حضرت کی خدمت کا موقع ملا۔ اس نے حضرت کے مزاج کے مطابق سبزی وغیرہ پکائی، جس کو حضرت نے ہمیشہ یاد رکھا اور اخیر تک نہیں بھولے۔ لندن کے آخری سفر میں میرے گھر دعوت پر تشریف لائے تو پردہ کے پیچھے سے اہلیہ کا شکریہ ادا کیا، کچھ نصیحت بھی فرمائی اور پوتوں، نواسوں کے لیے دعا بھی فرمائی۔ میری والدہ کو بھی والد صاحب کے انتقال پر تسلی دی۔ اللہ پاک حضرت کے احسانات کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

احرام باندھنے کے متعلق یاد پڑتا ہے کہ جدہ پہنچنے سے پہلے جہاز میں احرام شروع فرمانے کا اہتمام فرماتے، پچھلے سفر میں لندن سے لنگی پہن لینے کی درخواست کی تو منع فرمایا کہ میں جہاز ہی میں جدہ پہنچنے سے پہلے پہن لوں گا۔

جہاز میں کھانے پینے میں احتیاط فرماتے، ایک سفر میں جدہ سے ساؤتھ افریقہ جارہے تھے میں اور مولانا عبدالوحید صاحب ساتھ تھے، مولانا نے کہہ دیا آج شب برأت ہے فرمایا پھر تو کل ہم روزہ رکھیں گے، جہاز ہی میں ہلکی پھلکی سحری فرمالی اور پورا دن روزہ سے رہے، صبح جوہانسبرگ پہنچ گئے تھے اور شام تک پروگرام بھی کئے، دن کافی لمبا ہو گیا تھا، مگر روزہ نہیں چھوڑا۔

جہاز میں نماز کے مسئلہ میں توسع فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ہم نے دہلی ہوائی اڈہ پر ظہر اور عصر میں جمع کرلیا، میرے ساتھ کچھ کٹر تھے (کٹر حنفی) میں نے ان سے بھی جمع کرنے کو کہا، وہ نہیں مانے اور کہا کہ ہم جہاز میں نماز پڑھ لیں گے مگر جہاز میں عصر کا وقت ہوا تو سب سو گئے اور عصر قضا ہو گئی۔ آخر میں سیٹ پر پڑھ لیا کرتے تھے۔ (جو

لوگ کھڑا رہنے پر قادر ہوں وہ اگر سیٹ پر پڑھ لیں تو انہیں زمین پر پہنچ کر نماز دہرا لینی چاہیے کیوں کہ ان کا قیام، رکوع سجود چھوٹا اور استقبال قبلہ چھوٹا اس لیے نماز ناقص رہی۔ لہٰذا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے سیٹ پر اشارہ سے پڑھ لیں مگر پھر اعادہ کرلیں)

مکہ شریف پہنچ کر حرم جلدی جانے کا اہتمام فرماتے، جب صحت اچھی تھی تو لاٹھی کے سہارے خود چل کر طواف فرماتے، طواف میں رمل مسنون کا اہتمام فرماتے، رکن یمانی پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش فرماتے، مزاحمت سے بھی گریز نہ فرماتے، حجر اسود کو بوسہ دینا یاد نہیں، دور سے استیلام ہی ہوتا۔

طواف بیت اللہ شریف بالکل قریب سے کرنے کی کوشش فرماتے۔ایک دفعہ میں نے اپنا ہاتھ حطیم پر رکھ دیا تو فوراً کھینچ کر نیچے کرلیا۔ایک دفعہ فرمایا'' دائرہ میں مرکزی نقطہ سے جس قدر قرب ہوتا ہے شوط اسی قدر قصیر ہوتا ہے'' طواف میں خاموشی کے ساتھ دعاؤں میں مشغول رہتے، سعی میں گفتگو فرماتے، زمزم خوب سیر ہو کر پیتے، اخیر میں ٹھنڈا گرم مکس کر کے پینا پسند فرماتے، سعی میں آرام سے چلتے، میلین اخضرین کے درمیان ہم کو دوڑنے کا حکم فرماتے خود اپنی رفتار سے آجاتے۔ہم آگے انتظار کرتے پھر آپ کے ساتھ چل دیتے۔

ایک دفعہ سعی کے دوران گفتگو کرتے ہوئے فرمانے لگے''احادیث کے ذخیرہ میں تین چوتھائی ضعاف پر مشتمل ہے اور ایک چوتھائی صحاح پر، اگر ضعاف کو الگ کرلیا جائے تو احادیث میں کوئی تعارض نہیں رہتا، تعارض جو پیدا ہوتا ہے وہ ضعاف کی وجہ سے ہوتا ہے''۔

حلق کا اہتمام فرماتے۔کبھی قصر کرنا یاد نہیں، حج کے موقع پر شروع میں افراد فرماتے اور احرام ہی میں کئی دن گذارتے۔آخر میں تمتع کا بھی معمول ہو گیا تھا، فسخ الحج الی العمرہ کے قائل تھے، مگر کبھی کیا نہیں۔فرماتے تھے کہ کبھی جی چاہتا ہے کہ اُس پر بھی عمل کروں۔

ایام حج میں ہر عمل سنت کے مطابق ترتیب سے ادا فرماتے۔منیٰ کے لیے آٹھویں کی رات کو نکل جانا پسند نہ فرماتے، بل کہ صبح ہی کو فجر بعد اطمینان سے نو بجے روانہ ہوتے،

عرفات میں ائمہ ثلاثہ اورصاحبین کے قول ظہراورعصرجمع فرماتے اوراُس کے بعدوقوف فرماتے،دعاؤں میں ایک خاص کیفیت طاری رہتی،مزدلفہ میں آرام فرماتے اور فجر واوراد سے فارغ ہوکرمسنون وقت پرروانہ ہوتے۔

یوم النحر میں رمی سویرے سویرے فرماتے پھرمکہ مکرمہ پہنچ کرطواف بھی دن ہی میں پورا کرلیتے اوررات منیٰ میں آ کرگذارتے۔مکہ مکرمہ میں رہنا پسند نہ فرماتے۔منیٰ کا قیام اگرچہ حنفیہ کے یہاں صرف مسنون ہے،مگردیگرائمہ کے یہاں واجب ہے۔اس لیے اس کالحاظ فرماتے۔ایک مرتبہ معلم کے خیمے منیٰ کی حدود سے باہر تھےتو بہت پریشان ہوگئے،بعد میں ترک واجب کاایک دم ادافرمایا۔

بارہویں کی رمی کرکے مکہ مکرمہ نہ لوٹتے،بل کہ تیرہویں کا قیام بھی فرماتے۔اس لیے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نےبھی تیرہویں کا قیام فرمایا تھا۔ایک دفعہ فرمانے لگے''لوگ بارہویں کو چلے آئے،مگر دیکھانہیں کہ تیرہویں کومنیٰ میں کتنی نورانیت تھی''۔اپنے گونا گوں اعذارکے باوجودرمی خودفرماتے۔اخیرعمرمیں تومولانایونس رندیراویل چیئرمیں جمرات کے قریب لےجاتے اورآپ کھڑے ہوکراپنے ہاتھ سےرمی کرتے۔

حج سےفراغت پراورحج سے پہلےبھی مکہ مکرمہ کےقیام کوغنیمت سمجھتے۔نمازیں حرم شریف میں پڑھنے کااہتمام فرماتے۔نفلی طواف کابھی خاص اہتمام فرماتے۔ایک مرتبہ مغرب بعدکافی دیرتک اوابین پڑھتے رہے،پھرفرمانے لگے کہ میرے بدن میں جب جان تھی تومیں اپنے اساتذہ کی طرف سے ایک ایک طواف کرلیا کرتا تھا۔اب میرے اندرطاقت نہیں،اس لیےان کی طرف سےدودورکعت نفلیں پڑھ لیتاہوں۔

تلاوت کثرت سے فرماتے،فضول باتیں پسند نہ کرتے،بل کہ تلاوت میں مشغول رہتے۔ایک مرتبہ فرمایا''حاجی کوچاہیے کہ ایک ختم مکہ مکرمہ میں کرے اورایک ختم مدینہ منورہ میں کرے''۔مغرب عشاکے درمیان نوافل کے بعدعموماً تلاوت فرماتے،طبیعت جب تھک

جاتی تو قرآن شریف رکھوا کر تھوڑی دیر گفتگو فرماتے، مگر اس دوران بھی تسبیح ہاتھ میں لیے رہتے۔

عشا اور نوافل سے فارغ ہو کر مطاف میں میزابِ رحمت کی محاذات میں تشریف لے جاتے، وہاں ہندو پاک کے اکابر سے ملتے۔ خاص طور پر حضرت پیر صاحب (حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم) کو تلاش فرماتے۔ فرماتے ''بھائی طلحہ نظر نہیں آرہے ہیں؟'' پھر ان سے ملاقات اور خیر خیریت کے بعد اپنے مستقر پر جاتے۔

جمعہ کے روز خاص اہتمام فرماتے اور سویرے حرم پہنچنے کی کوشش کرتے۔ بھیڑ کی وجہ سے حرم شریف کے دروازے جلدی بند ہو جاتے ہیں تو ایک دروازہ بند ہو تو دوسرے، تیسرے دروازہ سے کسی طرح اندر داخلہ کی کوشش فرماتے۔ پریشانی کے وقت ''یافاتح الخیر یافتاح'' کا کثرت سے ورد فرماتے اور عموماً کسی طرح رستہ ضرور کھل جاتا۔ ایک مرتبہ جمعہ سے پہلے مشکل سے اندر داخل ہو کر مطاف تک پہنچے پھر فرمایا ''میں تو طواف کروں گا اور شدید دھوپ میں طواف شروع فرمادیا۔ احقر بھی ساتھ تھا اور پیچھے سے دھکے اپنی کمر پر اور بازوؤں پر لے رہا تھا، طواف کے دوران میرے پاؤں پر چوٹ لگی، فارغ ہو کر جب صف میں جگہ بنا کر کھڑے ہوئے اور اذان کا وقت بھی ہو چکا تھا تو میں نے دیکھا کہ انگوٹھے کے ناخن کے نیچے سرخی ہے، میں ڈر گیا کہ وضو ٹوٹ گیا اور اب میرا جمعہ گیا۔ حضرت کو دکھایا تو فرمایا اس میں سیلان نہیں ہے یہ تو صرف ناخن کے نیچے دبا ہوا ہے'' یعنی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ایک دفعہ ایک مصری خاتون آئی اور مسئلہ پوچھنے لگی، حضرت شرما کر نیچے دیکھنے لگے، میں اس کے اور حضرت کے بیچ آڑ بن گیا اور عرض کیا حضرت یہ کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتی ہے۔ فرمایا اس سے کہو کہ یہاں بہت مشائخ ہیں، ان میں سے کسی سے پوچھ لے۔ اس نے کہا میں کس کو ڈھونڈوں گی، آپ عالم ہیں بتا دیجیے، پھر اس نے عرض کیا کہ میں حج میں آئی تھی، میرے ایام حیض شروع ہو گئے، خون بند ہونے پر میں طواف زیارت کرلیا ہے، مگر پھر تھوڑا سا خون نظر آنے لگا۔ اب میں کیا کروں؟ کیا مجھے طواف زیارت دوبارہ کرنا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا اس سے پوچھو کون سے مذہب پر عمل کرتی ہے، حنفی یا شافعی۔ اس نے کہا میں حنفی مذہب پر عمل کرتی ہوں

۔(مصر میں عوام میں دونوں مذہب رائج ہیں حنفی اور شافعی ،لیکن حکومتی قوانین حنفی مذہب کے مطابق ہیں)حضرت نے پھر اس کو بتایا کہ حنفیہ کے یہاں اکثر ایام حیض دس دن ہیں، غالباً اس کے دس دن سے زائد ہو گئے تھے اور اس کو طواف دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔

ایک دفعہ ہمارے برابر میں ایک چینی حاجی صاحب بیٹھے ہوئے تھے، وہ حضرت کو اور حضرت ان کو دیکھ کر مسکرانے لگے ۔حضرت نے فارسی میں ان سے نام پوچھا ''نام شما چیست ؟'' انہوں نے بتایا، حضرت نے پوچھا ''بر مذہب امام ابوحنیفہ؟'' انہوں نے طمطراق سے جواب دیا؟ ''ای مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ'' حضرت مسکرا دیئے۔

ایک مرتبہ ایک افغانی بڑے میاں کو دیکھا کہ جب رکوع میں گئے تو ذرا سا جھکے اور فوراً سیدھے کھڑے ہو گئے، حضرت اس کو دیکھتے رہے، دوسری رکعت میں پھر اسی طرح سپرنگ جیسا رکوع کیا۔حضرت ہنس دیئے اور فرمایا ''شاید امام صاحب کو پتہ تھا کہ ایسے لوگ آنے والے ہیں اس لیے نماز میں طمانیت کو فرض قرار نہیں دیا، ورنہ ایسوں کی تو نماز ہی نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ بھیڑ میں تشریف لائے ،نماز شروع فرمائی تھی کہ برابر میں عورتیں آ کر کھڑی ہو گئیں، نماز توڑ کر بھاگے اور آگے کہیں اور جگہ تلاش کی۔ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ محمد علی صابونیؒ نے حضرت شیخ (قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ) سے اس بارے میں پوچھا تھا ''**ماتقولون فی مسألة المحاذاة فی الحرم ؟**'' تو حضرت شیخ نے جواب دیا ''**یعمل بمذهب الشافعی رحمة الله علیه**''

ایک دفعہ فرمایا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔کیا مستورات حرم میں نماز پڑھنے جا سکتی ہیں؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دو شرطوں کے ساتھ جا سکتی ہیں:

۱— یہ کہ اکیلی نہ جائیں، مستورات کے ساتھ مل کر یا کسی محرم کے ساتھ یا کم ازکم کسی بچہ کے ساتھ جائیں۔

۲— اور دوسرے یہ کہ بھیڑ میں نہ گھسیں۔کنارے کنارے سے جا کر عورتوں کے

احاطہ میں نماز پڑھ کر لوٹ آئیں۔

حرم شریف میں مرور بین یدی المصلی کے مسئلہ میں احتیاط فرماتے۔اول تو عشا کے بعد دیر تک نوافل پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ حرم خالی ہوجائے، اس کے بعد نکلتے پھر اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا تو اس کے پیچھے سے نکلتے اور اگر پیچھے سے راستہ نہ ہوتا اور سامنے ہی سے گذرنا پڑے تو اپنی لاٹھی سامنے رکھ کر اُس کا سُترہ بنالیتے اور اس کی آڑ میں گذر جاتے۔اور وہ بھی ذرا فاصلہ سے، سجدہ کی جگہ سے نہیں۔

ایک مرتبہ چلتے ہوئے ترکی حرم اور سعودی حرم کے درمیان سیڑھی پر رک گئے اور فرمانے لگے کہ اگر کوئی صاحبِ بصیرت ہو تو اُس کو صاف نظر آئے گا کہ اِن دونوں حرم میں بیّن فرق ہے۔ترکی حرم عشق الٰہی کے ساتھ تعمیر ہوا ہے۔اس کی تعمیر میں سب مسلمانوں نے حصہ لیا، حتیٰ کہ جب اس کا گارا اور مٹی تیار ہوتی، تو لوگ اپنے گھروں سے عطر کی شیشیاں لاکر اس میں خالی کردیتے کہ ہمارا بھی اِتنا حصہ اس میں لگ جائے، سعودی حصہ میں وہ بات نہیں ہے۔

ایک دفعہ فرمایا ”مطاف میں نماز پڑھتے ہوئے کعبۃ اللہ شریف سامنے ہو تو نگاہ کعبہ کی طرف رکھنی چاہیے یا نظر نیچی رکھنا چاہیے، اس میں فقہا کے دو قول ہیں۔راجح یہ ہے کہ نظر نیچی رکھیں اور گاہِ گاہ نظر پڑ جائے تو اس میں حرج نہیں“۔

ضرورت کے وقت زم زم سے وضو کی اجازت دیتے، بل کہ خود بھی فرمالیتے۔لیکن اتنا ضرور فرماتے کہ کلی کے وقت پانی پھینک نہ دیں، بل کہ پی جائیں۔فرمایا کہ فاکہی نے اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ زم زم سے وضو جائز ہے استنجا حرام ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا علی میاں صاحبؒ نے بہت اچھی بات فرمائی کہ ”بیت اللہ شریف اعظم معابد الارض ہے“، یعنی پوری دنیا میں کہیں بھی اللہ کی اتنی عبادت نہیں ہوتی، جتنی یہاں ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک حضرت کے ساتھ گذارنا نصیب ہوا۔مغرب بعد حرم شریف ہی میں رہتے، سینڈوچ کھا کر زم زم پی لیتے اور عشا بعد ہی حجرہ پر تشریف لاتے۔ایک مرتبہ

رمضان المبارک میں عصر بعد تلاوت فرمارہے تھے، اوپر سے کسی چڑیا کی بیٹ آپ کی آستین کے کنارہ پر گری، فرمایا ''حنفیہ کے یہاں یہ معاف ہے، لیکن دوسرے ائمہ کے یہاں نہیں۔ اس لیے میں اس کو پاک کروں گا'' پھر اٹھ کر پیچھے جانے لگے۔ مجھے کہا کہ تم اپنا پڑھتے رہو، مگر میں بھی کھڑا ہو گیا اور ساتھ چلا گیا۔ میں نے کہیں سے گلاس ڈھونڈ کر پانی لا کر آستین پر ڈالا، اچھی طرح دھونے کے بعد واپس اپنی جگہ مطاف میں آ کر بیٹھے۔

ایک حج میں عرفات میں اپنے ساتھ ستّو (پسے ہوئے جَو یا چنے کا پاؤڈر، جن میں شوگر بھی ملی ہوئی تھی) لائے ہوئے تھے، پانی کے گلاس میں ستو بنوا کر سب ساتھیوں کو پلایا۔ حرم شریف میں بیٹھے بیٹھے کبھی گفتگو فرماتے اور حالات دریافت فرماتے۔ ایک دفعہ مسجد اقصیٰ کے حالات پوچھے، ان دنوں یہود کی طرف سے کچھ زیادہ ہی ظلم ہو رہا تھا، سن کر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بھی حالات دریافت کئے، خطرناک حالات سن کر فرمانے لگے ''ایسا لگتا ہے کہ اب تو امام مہدی ہی کے ذریعہ انخلا ہوگا'' پھر فرمایا کہ ''بڑے میاں ایسے ویسے نہیں بولتے تھے، ان کی بات میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوگی''۔

شاہ فہد کے انتقال کے بعد جو حج آیا، اس میں حرم شریف میں بیٹھے ہوئے پوچھنے لگے کہ اُن کی طرف سے کچھ قرآن خوانی ہوئی یا نہیں؟ میں نے عرض کیا معلوم نہیں یہ لوگ تو اس کو مانتے نہیں۔

فرمایا کہ جب جنرل ضیاء الحق (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کا حادثہ ہوا تو کسی نے کہا کہ پاکستان میں اُن کی طرف سے تیس ہزار ختم قرآن کیے گئے تھے۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ اتنے تو حضرت شیخ کے لیے بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ایک دم تو نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے ان کے خلفا اور شاگردوں نے اس سے زیادہ ہی کیے ہوں گے۔

قاری انیس صاحب کا بیان ہے کہ تقریباً تین دفعہ الگ الگ مجلس میں یہ سنایا کہ میں حرم میں بیٹھا ہوا تھا، ایک غیر مقلد میرے پاس آ کر کہنے لگا ''مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے دین میں بہت سی دراڑیں قائم کر دی ہیں، ہم اُن کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں'' حضرت نے فرمایا کہ

’’انہوں نے دراڑیں قائم کی ہیں یا تم قائم کررہے ہو، تم کیا جانو کہ حضرت تھانویؒ کون تھے؟

سفر مدینہ شریف:

مکہ مکرمہ سے مدینہ شریف روانگی کے لیے اس بات کا اہتمام ہوتا کہ طواف وداع سب سے آخر میں ہو، اگر کبھی گاڑی آنے میں تاخیر ہوجاتی تو طواف وداع دوبارہ ادا فرماتے، راستہ میں درود پاک کے اہتمام کی تاکید فرماتے، مستورہ کی مچھلی کھانا پسند فرماتے یہ بھی فرماتے کہ سال بھر میں صرف اسی جگہ مچھلی پسند کرتا ہوں، مچھلی کے بعد دودھ یا دودھ والی چائے سے احتیاط فرماتے، صرف کالی چائے (بغیر دودھ والی) نوش فرماتے، مدینہ شریف پہنچ کر مسجد نبوی شریف جانے سے پہلے نیا جوڑا اور بہت اہتمام سے تیار ہوکر عمدہ سے عمدہ خوش بو لگا کر حرم شریف میں تشریف لے جاتے، راستہ میں غریبوں کو کچھ صدقہ دیتے ہوئے حرم میں داخل ہوتے۔

اخیر عمر میں مولانا یونس رندیرا مسجد کے مؤذن کی وساطت سے ریاض الجنۃ میں جگہ بنوادیتے، وہاں سے دوگانہ ادا فرما کر تھوڑی دیر درود شریف پڑھ کر مواجہہ شریف پر تشریف لے جاتے، مختصر سلام عرض کرکے آگے بڑھ جاتے۔

قیامِ مدینہ شریف میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اور اچھے اشعار وغیرہ پسند فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے بنگال کے ایک عالم کو حاضری کا بہت اشتیاق تھا، مگر اسباب نہیں تھے، انہوں نے شعر کہا ؎

الیک رسول اللہ اھدی ثنایا   وأبغی بہ قربا و ان کنت نائیا

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ ’’طلع البدر علینا من ثنیات الوداع‘‘ کے متعلق جو مشہور ہے کہ ہجرت کے موقع پر بچیوں نے اس کو گایا تھا یہ صحیح نہیں۔ یہ کسی اور سفر سے واپسی کا قصہ ہے، غالباً تبوک کے لمبے سفر سے واپسی پر بچیوں نے استقبال کرتے ہوئے ان اشعار کو پڑھا تھا۔

ایک مرتبہ شیخ خالد کے یہاں دعوت تھی۔ واپسی میں انہوں نے ایک جگہ سے گزرتے ہوئے کہا حضرت یہ وادیٔ عقیق ہے فرمایا ’’کھڑکی کھولو کھڑکی کھولو‘‘ اور پھر گرم گرم ہوا اور غبار اندر آنے لگا تو

فرمایا ''یہ مبارک وادی کا غبار ہے حدیث شریف میں عقیق کو برکت والی وادی کہا گیا ہے''۔

بعض مرتبہ مدینہ شریف کا نام لیا جاتا تو رو پڑتے ۔آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں ۔ ایک مرتبہ کسی نے کہہ دیا میں مدینہ جارہا ہوں تو غصہ ہو گئے اور فرمایا ''مدینہ جارہا ہوں کا کیا مطلب؟ مدینہ شریف نہیں بولا جاتا، اجمیر شریف بولتے ہو، بغداد شریف بولتے ہو اور جگہوں پر شریف بولتے ہو، مدینہ کے ساتھ شریف کیوں نہیں بولتے؟''

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، ایک جوان نے قریب آکر پوچھا ''میں ریاض الجنۃ میں کام کرتا ہوں ۔حج کے لیے چھٹی لے کر آیا تھا، آج میری اسلام آباد کی فلائٹ ہے، میں مدینہ منورہ نہیں جاسکتا، کچھ حرج تو نہیں؟ میرا حج قبول ہو جائے گا؟ حضرت والا نے فرمایا ''تمہارا دل کیسے گوارا کرتا ہے کہ یہاں تک آکر وہاں حاضری دیئے بغیر چلے جاؤ، فلائٹ کینسل کرو اور مدینہ شریف حاضری دو'' اس نے کہا میری چھٹی بہت مختصر ہے مجھے واپس کام پر پہنچنا ہے اور میں اس سے پہلے دو مرتبہ عمرہ کرکے مدینہ شریف ہو آیا ہوں ۔ حضرت نے فرمایا ''پھر بھی کم سے کم تھوڑی دیر کے لیے ہو آؤ'' اس نے جب یہ ظاہر کیا کہ ممکن ہی نہیں کیوں کہ ابھی اس کو جدہ ایئرپورٹ جانا ہے تو حضرت نے فرمایا ''پھر نہ جانے کا کفارہ ادا کرو'' اس نے کفارہ کا پوچھا تو فرمایا ''یہاں سے نکلنے کے بعد اسلام آباد سے گھر پہنچنے تک پورے راستہ درود شریف پڑھتے رہو یہ اس کا کفارہ ہے''۔

یہ کچھ یادیں سفر کے متعلق ذہن میں آئیں وہ قلمبند کر دی ہیں ۔میں نے زیادہ تر صحت کے زمانہ کے حالات لکھے ہیں ۔اخیر عمر میں اپنے اعذار کی وجہ سے حج کے معمولات میں معمولی فرق آ گیا تھا۔ مولانا یونس صاحب رندیراچوں کہ آخری عمر میں ہمیشہ حضرت کے خادم رہے اور حضرت کے قیام وطعام کا نظم نہایت حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے، اس لیے آپ اس کو لکھنے کے زیادہ اہل ہیں ۔

ابھی حضرت کے بیان کی ایک کلپ آئی اس سے پتہ چلا کہ پہلی مرتبہ جب حج کا ارادہ ہوا تو حضرت ناظم صاحب (مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے مشورہ کے لیے تشریف لے

گئے۔ فرمایا ’’تم ہوائی جہاز سے چلے جاؤ‘‘ دل میں خیال آیا کہ میرا ارادہ تو طویل قیام کا ہے۔ فوراً فرمایا ’’طویل قیام کے لیے پھر چلے جانا‘‘ حضرت نے فرمایا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ دوبارہ حاضری تو پکی ہے، پھر اللہ نے اپنے کرم سے کئی بار حاضری نصیب فرمائی۔

ایک مرتبہ لکھنؤ کے کسی محبت رکھنے والے نے حضرت کی خدمت میں دس ہزار روپے کا ہدیہ بھیجا۔ فرمایا ’’الحمدللہ! میں حج کے لیے رقم جمع کر رہا تھا، ایک لاکھ ہو گئے تھے، دو ہزار کی ضرورت تھی اللہ نے بھیج دیے۔‘‘

اللہ پاک حضرت شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بے حساب بلند فرمائے اور حضرت کی طرف سے ہم کو حج عمرہ کرنے کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے کہ اب یہی ایصال ثواب ان کو بھی کام آئے گا اور ہمارے لیے بھی فائدہ مند ہوگا۔ اللہ ہم سب سے راضی ہو جائے۔

اعلان ملکیت فارم IV

(۱) مقام اشاعت مدرسہ مظاہر علوم پتہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور یوپی

محلہ مبارک شاہ سہارنپور (یوپی) (۴) پرنٹر پبلشر مولانا محمد سلمان

(۲) مدت اشاعت ماہانہ قومیت ہندوستانی

(۳) ایڈیٹر مولانا محمد سلمان پتہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور یوپی

قومیت ہندوستانی ملکیت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی

میں (مولانا) محمد سلمان تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا امور میرے علم کے مطابق صحیح ہیں

اولاد کا نفقہ والد پر لازم ہے یا نہیں؟

سوال: ایک آدمی کے پاس مال کثیر ہو اور ساتھ ساتھ کاروبار تجارت بھی ہو اور ایک سرکاری نوکری بھی ہو، تقریباً اس کی تنخواہ چالیس ہزار تک ہو، لیکن یہ آدمی اپنے بیوی اور بچوں پر خرچ نہیں کرتا اور اپنے اوپر کافی خرچ کرتا ہو اور ساتھ فریضہ حج بھی ادا نہیں کرتا اور بڑے بیٹوں کی شادی بھی نہیں کرتا، اور اگر کسی ایک بیٹے کی شادی کرادی تو بعد میں اس سے شادی کے خرچ کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں کا میرے اوپر کوئی حق نہیں ہے، یاد رہے کہ اولاد بالغ اور نابالغ دونوں طرح ہے، تو مذکورہ صورت میں بیٹوں کا اپنے باپ پر حق ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کا نان نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے، اولاد کے نفقہ میں تفصیل یوں ہے کہ شادی ہوجانے تک بیٹیوں کا نفقہ ہر حال میں والد کے ذمے ہے، چاہے وہ بالغ ہوں یا نابالغ، جب کہ بیٹے اگر نابالغ ہوں تو ان کا خرچ اٹھانا والد کی ذمے داری ہے، اور بالغ بیٹے اگر کسی عذر کی وجہ سے خود کما کر کھانے پر قادر نہ ہوں تب تو ان کا نفقہ والد کے ذمے ہے، ورنہ نہیں۔

اس تفصیل کے بعد یہ بھی جان لینا چاہیے کہ نفقہ کی طرح بچوں کی بروقت شادی کرانا بھی والدین کی ذمے داری ہے، البتہ اگر بالغ بیٹے کمانے کے قابل ہوں مگر پھر بھی والد خود ہی ان کی شادی بیاہ کا خرچ برداشت کرے تو بعد میں اسے واپسی کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

گھر والوں پر خرچ کرنے کی احادیث میں ترغیب وارد ہوئی ہے، لہٰذا صاحبِ وسعت آدمی کو چاہیے کہ اس معاملہ میں بخل سے کام نہ لے، ساتھ ہی اگر وہ فریضۂ حج پر بھی قادر ہو، تو بلا عذر اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔

(بشکریہ: ماہنامہ الفاروق: ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ)